www.novelsclubb.com

# میں جگنوؤں کا دیس تھا

(ڈائجسٹ ناول)

از قلم شازیہ چوہدری

:novelsclubb :read with laiba 03257121842

شازیہ چوہدری

# میں جگنوؤں کا دیس تھا

ناولٹ

وکا مارگلہ کالج کے قریب سے گزر رہا تھا۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ اسے موٹر سائیکل کی اسپیڈ تیز کرنے پر مجبور کررہی تھی۔ وہ ایسا کربھی لیتا کہ معاً اس کی نظر کالج کے دائیں طرف مین روڈ سے قریب دیوار کے پاس کھڑی اس لڑکی پر پڑی اور کسی نادیدہ قوت نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس میں کچھ تھا۔ کوئی ماورائی سی کشش، کوئی مقناطیسی، طلسمی سحر، جو افتخار حیدر جیسا مست الست، بے نیاز اور روکھا پھیکا سا شخص کار جہاں کے تھکا دینے والے مصروف و مگن دھندے سے لمحہ بھر کو فراموش کرکے اس میں کھو گیا تھا۔

حالانکہ راناشاہ نے شدت سے تاکید کی تھی وقت پر پہنچنے کی۔

وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی۔ سیاہ اور سرخ پھولدار سوتی چادر میں لپٹا گورا چہرہ گرمی کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ پیشانی پر پسینے کے چمکتے ہوئے قطرے یوں محسوس ہوتے تھے جیسے مخملیں گلاب پر موتی دمک رہے ہوں۔ اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا سرمئی تھا جن میں الجھن اور بیزاری کی جھلک نمایاں تھی۔ سفید کالج کے یونیفارم میں اس کا نسوانی کشش سے مزین، بھرپور سراپا بہار کا سارا جوبن لیے ہوئے تھا۔

افتخار حیدر نے بڑے حسین چہرے دیکھے تھے۔ یونیورسٹی میں کتنے ہی رنگوں کا حسن زاویے بدل بدل کر سامنے آیا تھا۔ پھر اب راناشاہ کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے روز ہی نت نئے فتنے جگاتے نقوش نگاہ سے گزرے تھے۔ مگر کوئی رنگ دل کے کورے کاغذ پر انمٹ نہ ہوا تھا۔ کچھ شاید اس لیے بھی کہ وہ اس ٹائپ کا بندہ نہیں تھا۔ دنیا کے جھمیلوں نے اسے کبھی فرصت ہی نہ دی تھی۔

مگر اب، جو نظر اٹھی تھی تو بہت دور نکل گئی تھی۔

یہ انوکھی بات شاید اس موڑ پر ہونا تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ وقت تھم جائے اور وہ تاعمر نگاہ اسی زاویے پر فکس رکھے۔

وہ قدرے گردن موڑے سڑک کے بائیں طرف دیکھ رہی تھی۔ انداز کی بے چینی اور الجھن غماز تھی کہ کسی کی آمد کا انتظار ہو رہا تھا۔ دائیں ہاتھ میں چند کتابیں اور فائل تھی جسے سینے سے لگائے وہ دوسرے ہاتھ سے پیشانی پر چھجا بنائے گویا دھوپ کی تند و تیز شعاعوں سے بچنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے کچھ سوچ کر اس کے قریب جا کر بائیک روک دی۔

"ایکسکیوز می۔ میں... کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں؟"

اس نے چونک کر اس اجنبی نوجوان کی طرف دیکھا جو بڑی شائستگی سے اس کے چہرے پر نگاہ جمائے استفسار کر رہا تھا۔

"نہیں جی شکریہ..." اس نے مہذب انداز میں

گردن کو خم دیتے ہوئے دوبارہ نگاہ بائیں طرف دوڑائی تھی۔ آواز کی نغمگی نے کانوں میں رس گھول دیا تھا۔

"آپ یقیناً" سواری کے انتظار میں ہیں اگر کوئی پرابلم ہے تو میں چھوڑ دوں۔۔۔۔؟"

اس سوال پر مہرین نے ترچھی نگاہ سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ پرشوق نظروں سے اس کا سراپا جانچ رہا تھا۔ مہرین کی پیشانی پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔

"شکریہ۔۔۔۔" اس بار لہجہ سرد اور خشک تاثر لئے ہوئے تھا۔ وہ دوبارہ گردن موڑ کر اس کی طرف سے ترچھی ہو کر بائیں طرف دیکھنا شروع ہو گئی۔

افتخار حیدر مسکرایا۔ نظر نے وجود کی تابانیاں جانچی تھیں اور ذہن نے کردار کی مضبوطی پرکھ لی تھی۔

وہ آخری وارفتہ نگاہ ڈال کر رخصت ہو گیا۔

جونہی لڑکی کو تنہا سڑک پہ دیکھا۔ قوم کے ان "بھائی بندوں" کی رگ ہمدردی پھڑکنے کیا ابلنے لگتی ہے۔ ہونہہ "تاڑو" کہیں کا۔ لگتا ہے پہلے کبھی لڑکی نہیں دیکھی۔ آنکھوں سے ہی ہضم کر لینے کا ارادہ تھا گویا۔ اور یہ محترم اے ایس پی شمشیر علی کہاں رہ گئے۔ اچھے تایا زاد ہیں۔ اور اچھی پنکچوئیلٹی ہے۔"

وہ جل بھن کر پسینہ پونچھتے ہوئے بدستور بائیں طرف گردن موڑے ہوئے تھی۔

"اور جواب پرائیوٹ ٹرانسپورٹ سے چلی گئی تو پھر قیامت مچا دیں گے۔ سارے گھر میں چنگھاڑتے پھریں گے کہ اس طرح کیوں آئی۔" ویسے تو وہ کالج بس سے آتی تھی روزانہ۔ آج اس کا پریکٹیکل تھا سو بارہ بجے کے بعد فارغ تھی۔ کالج بس کا پہلا ٹرپ بھی دو بجے سے پہلے نہیں چلتا تھا۔ اس نے صبح امی اور تائی اماں کو اپنا شیڈول بتاتے ہوئے اجازت لینے والے انداز میں کہا تھا۔

"اگر آپ کہیں تو میں بشریٰ کے ساتھ پبلک بس سے آجاؤں؟ وہاں دو گھنٹے بے کار بیٹھ کر کیا کروں گی۔۔۔۔"

مگر اسی لمحے تو لیے سے بھیگا سر رگڑتے محترم شمشیر علی نمودار ہو گئے۔

"نہیں۔۔۔۔ بس میں خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"پھر میں کیا کروں گی دو گھنٹے بے کار۔۔۔۔" وہ غصہ دبا کر بے بسی سے بسور کر تائی اماں کی طرف دیکھنے لگی۔ جو بیٹے کے حتمی لہجے کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو گئی تھیں۔

"مجھے تھانہ کوہسار میں ایک کام ہے۔ وہاں سے بارہ سوا بارہ تک فارغ ہو جاؤں گا۔ کوشش کروں گا تمہیں پک کرنے کی۔۔۔۔" وہ کہہ کر سنجیدگی سے دوبارہ اندر غائب ہو گیا۔

اور اب وہ تقریباً" آدھ گھنٹے سے چلچلاتی دھوپ میں کھڑی محترم اے ایس پی شمشیر علی کا انتظار کر رہی تھی۔ جس کی آمد کے دور دور تک آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

"ایک تو یہ جونئے نئے پولیس آفیسرز ہوتے ہیں۔ انہیں کچھ زیادہ ہی "ایفی شینسی" دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔" وہ کلس کر سوچ رہی تھی۔ "لگے پڑے ہوں گے موصوف کسی قانونی بحث میں۔ اللہ جانے یاد بھی رہتا ہے لینا کہ نہیں۔ لگ تو یہی رہا ہے کہ یہیں دھوپ سے پگھل کر پانی بن جائے گا میرا۔"

مگر شکر ہے یہ سانحہ رونما ہونے سے قبل شمشیر علی کی جیپ کا ہارن بج اٹھا۔ وہ پولیس یونیفارم میں تھا اور چہرے کی سنجیدگی اور انداز کی عجلت سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی سنگین معاملے میں الجھا ہوا ہے۔

"جلدی سے بیٹھ جاؤ۔ تمہیں چھوڑ کر مجھے فی الفور پیرودھائی اڈے پر پہنچنا ہے۔۔۔۔"

اس کو ٹھہر ٹھہر کر گاڑی کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ اپنی بے چینی دباتا ہوا قدرے جھنجلا کر بولا تھا۔

مہرین کے قدموں میں تیزی آگئی۔ اس کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی شمشیر نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ مہرین نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے دزدیدہ نگاہ سے



اس کا جائزہ لیا۔

وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کی سمت متوجہ تھا۔ پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں نمایاں تھیں۔ آنکھیں بظاہر سامنے دیکھ رہی تھیں مگر ان کا تاثر اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ وہ تصورات میں کہیں دور کچھ کھوج رہی ہیں۔ ہوا سے اڑتے چمکدار گھنے بالوں کا گچھا بار بار پیشانی کی سلوٹیں چوم رہا تھا۔ وہ درحقیقت اس وقت خاصا الجھا ہوا تھا مگر اس کی ذات کا ٹھہراؤ، اس کا مخصوص سنجیدہ باوقار انداز اس کو بہت مضبوط اعصاب کی پرسکون اور متوازن شخصیت کے روپ میں اجاگر کر رہا تھا۔ یونیفارم میں اس کی متین و بردبار پرسنالٹی مزید کشش بڑھا رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔" "معاً" شمشیر نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "کچھ کہنا ہے کیا؟۔۔۔۔"

لہجہ بے تاثر اور سرسری تھا۔ حالانکہ مہرین نے اپنی طرف سے خاصے غیر محسوس انداز میں اس کے تاثرات کی جانچ پڑتال کا کام شروع کیا تھا مگر مقابل کی آنکھیں جیسے حساس ترین کیمرے کی طرح جزیات فوکس کر لینے کی عادی تھیں۔ اس نے سخت شرمندہ ہو کر نگاہ کترالی۔

"کچھ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔" وہ بے طرح خفیف ہوئی تھی۔ "دراصل آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ شاید جلدی میں بھی ہیں۔ اس لئے۔۔۔۔" اس نے سنبھل کر خود پر قابو پاتے ہوئے وضاحت پیش کی۔

"میں سمجھی شاید کوئی سیریس پرابلم ہے۔۔۔۔"

"ہے تو سہی۔۔۔۔" شمشیر نے اڑتے ہوئے بالوں کو پیشانی سے ہٹاتے ہوئے اپنے مخصوص سنجیدہ بھاری لہجے میں جواب دیا۔۔۔۔ آواز میں سوچ کے عکس جاگ رہے تھے۔ "تم نے پڑھا ہی ہو گا اخباروں میں۔ آج کل پیرودھائی کے اڈے کے متعلق بہت غلغلہ مچا ہوا ہے۔ یہ جرائم کا گڑھ بن چکا ہے۔ خصوصاً" غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہونے والے غیر ملکی گویا اسے پاکستان کا "شکاگو" سمجھتے ہیں۔ وہ سیدھا ادھر کا رخ کرتے ہیں جہاں ان کے رہنے اور کھانے پینے کے لئے وہ چند سستے ہوٹل اور رہائشی فلیٹس بنائے گئے ہیں اور ان کے مالکان دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ یہاں پر جوئے اور شراب کا اڈہ بھی چل رہا ہے۔ پھر غیر ملکی خصوصاً" نیگرو، افغانی، انڈونیشن، افریقہ اور ایشیا کے پسماندہ ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد ذرائع اور روزگار کے لیے پاکستان کا رخ کرتے ہیں اور اس مقصد میں ناکام ہونے کے بعد وہی طریقۂ کار اپناتے ہیں جو ہمارے ملک کے ضمیر فروش اور ہوس زدہ لوگوں نے اپنا رکھا ہے۔۔۔۔" اس کے لہجے میں بلا کا زہر در آیا تھا۔

"یعنی منشیات کی اسمگلنگ۔۔۔۔" اس نے گہرا سانس لے کر افسوس سے کہا۔ نگاہ بدستور ونڈ اسکرین پر تھی۔ "اس اڈے کا مالک رانا شاہ نامی شخص ہے۔ اسی نے فلیٹس، ہوٹل، جوئے خانہ اور سستی تفریح کے شائق افراد کے لئے اڈہ سنبھالا ہوا ہے۔ ہم ابھی ثابت نہیں کر پائے لیکن ہمارے مخبر کی باوثوق اطلاع کے مطابق اس اڈے پر چرس کے کئی گودام بھرے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ علاقے میں سرعام ہیروئن اور دیگر نشہ آور پڑیاں کھلے بندوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو بیچی جاتی ہیں۔ بغیر کسی ڈر خطرے کے۔۔۔۔"

"اس اڈے کے خلاف پچھلے سال آپ نے ایک کارروائی کی بھی تو تھی۔۔۔۔"

"ہاں مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس وقت رانا شاہ کو چند اہم سیاسی شخصیات کی جانب سے سپورٹ حاصل تھی اور میں چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکا۔ بہرحال اس کا حساب اب بے باق ہو جائے گا۔۔۔۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"اب ہم زیادہ تیاریوں کے ساتھ ہلہ بولیں گے پھر اب وہ حالات بھی نہیں رہے۔۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔؟" مہرین خاک بھی نہیں سمجھی تھی۔

"اب وہ دور بیت گیا ہے۔ رانا شاہ کی پیٹھ تھپکا کر اپنے عہدوں کی بھاری بھرکم پناہ فراہم کرنے والے سیاسی آمروں کی بچھائی ہوئی بساط پلٹ گئی ہے۔ اب نہ

وہ لوگ رہے ہیں نہ چہرے۔ میں بغیر کسی دباؤ کے اپنا کام پورے اطمینان سے کرسکوں گا۔"

"نظام بدل جانے سے حالات تو نہیں بدل جاتے۔" وہ خوامخواہ بحث کر بیٹھی۔ "اب بھی رانا شاہ اتنا ہی "محفوظ" ہوگا۔"

"نہیں۔" شمشیر کے لہجے میں قطعی پن تھا۔ "اب سب کچھ بدل گیا ہے' بدل رہا ہے' انشاء اللہ بدل جائے گا۔ تبدیلی آسمان سے یکایک نہیں اترتی۔ پہلے دل روشن ہوتا ہے' پھر دل کے تابع وجود حرکت میں آکر اس انقلاب کو عملی مظاہرے میں تبدیل کرتا ہے۔" وہ روانی سے موڑ کاٹ کر پر یقین لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ اس حد تک پر یقین اور خود اعتماد تھا کہ مہرین اس سے مزید بحث نہ کرسکی۔

"امی سے کہہ دینا۔ رات دیر سے آؤں گا۔" گھر کے گیٹ پر گاڑی روک کر وہ اس کے اترنے کا منتظر تھا۔

"آپ نہیں آئیں گے کیا۔؟" اس نے کتابیں سمیٹ کر گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کلائی کی گھڑی کی سمت دیکھا۔ "ایک بجنے کو ہے کھانا کھا کر چلے جایئے گا۔ تائی اماں کو پتا چلا کہ آپ گیٹ سے پلٹ گئے ہیں تو ان کا دل برا ہوگا۔"

اسے خبر تھی تائی اماں اپنے لاڈلے بیٹے کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے غیر معمولی اوقات پر کس درجہ کلسا کرتی تھیں۔

"بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ امی سے کہنا' میں فارغ ہوتے ہیں لنچ کرلوں گا فکر نہ کریں۔" وہ بہت عجلت میں گاڑی بڑھا کر لے گیا تھا۔

اندر آئی تو حسب معمول تایا جان کچن کے سامنے کھلے صحن کے تخت پر احمر کے ہمراہ شطرنج کی بساط بچھائے ذوق و شوق سے کھیل میں مگن پائے گئے۔ جبکہ تائی اماں کچن کے دروازے کے پاس موڑھا ڈالے سلاد بنا رہی تھیں۔ ارم بھابھی کچن میں روٹیاں ڈالنے کی تیاری کررہی تھیں۔ امی غالباً اوپر اپنے کمرے میں تھیں۔ اور باقر بھائی جنرل اسٹور جا چکے تھے۔ تایا جان ریٹائرڈ فوجی تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے سب سے بڑے صاحبزادے باقر کو ساتھ ملا کر جنرل اسٹور کھول لیا جو دنوں میں چل نکلا تھا اور اب تو اچھے خاصے شاپنگ سینٹر میں تبدیل ہوگیا تھا۔

"اے لو۔ مہرین بھی آگئی۔ ارم! روٹیاں ڈال لو۔ اور یہ شمشیر کہاں رہ گیا۔"

تائی اس کے سوال کا جواب دے کر بیک وقت بھابھی اور اس سے ہمکلام تھیں۔

"وہ تو چلے گئے تائی اماں۔!" مہرین نے جواب دے کر ان کے تاثرات ملاحظہ کیے۔ یکایک ان کا سارا جوش اور تازگی سرد پڑ گئی تھی۔

"اے اتنی بھی کیا جلدی تھی۔ ذرا کی ذرا رک جاتا۔ کھانے کا ٹائم تھا۔" وہ بہت مایوس ہوگئی تھیں۔ "میں نے تو اسی لئے بچی سے کہہ کر جلدی کھانا بنوایا تھا۔ بتاؤ تو ایسی کون سی قیامت آجانی تھی۔ بس اس لڑکے کو میری جان جلا کر سکھ ملتا ہے۔" وہ بڑی طرح خفا تھیں۔

"نیک بخت! کیوں دل برا کرتی ہو۔ بھئی جلدی میں ہوگا' اب وہ ہماری تمہاری طرح فارغ تو نہیں بیٹھا ہوا ناں۔ کتنی جان ماری کرتا ہے۔" تایا جان ہمیشہ کی طرح اپنے بیٹے کے دفاع میں بول پڑے تھے۔ توجہ بدستور شطرنج کے مہروں کی سمت مرکوز تھی۔

"بس بھی کریں آپ۔ آپ کی وجہ سے تو اسے شہ ملی ہوئی ہے۔" تائی جان دلبرداشتہ ہورہی تھیں۔ چہرے پر پژمردگی تھی۔ "میں تو شروع سے خلاف تھی اس محکمے میں ملازمت کرنے کے۔ بھلا کیا ملتا ہے۔ ہر وقت جان ہتھیلی پر ہوتی ہے۔ اور بدنامی مفت کی کہ پولیس رشوت خور ہے' قانون شکنوں سے ملی ہوئی ہے۔ آدھی زندگی آپ کی جان کے پیچھے دھڑکوں میں گزار دی اور اب باقی کی بیٹے کے لیے واہموں میں کٹ جائے گی۔ بھلا کیا کمایا میں نے اس زندگی سے۔"

تائی اماں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھرنے



لگیں۔ لہجہ بھرا گیا تھا۔

"اوہو۔ بیگم! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" لامحالہ تایا جی کو شطرنج سے توجہ ہٹا کر بیوی کی طرف متوجہ ہونا پڑا کہ وہ کسی کی آنکھ میں نمی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ خود بھی زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہادری اور خوشدلی سے جینے کے قائل تھے اور دوسروں کو بھی یہی سبق سکھاتے تھے۔

"تمہیں تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ تمہارا بیٹا سچے موتیوں جیسا دل لے کر پیدا ہوا ہے۔ شروع ہی سے کس قدر عشق رہا ہے اسے ایک ایماندار پولیس افسر بن کر معاشرے کو جرائم سے پاک وصاف کرنے کا' اس کا تو بچپن سے یہی کریز تھا۔ اور صد شکر کہ اس نے اپنے اختیار کی چادر کو ناجائز نہیں پھیلایا۔ کہاں ملتی ہے آج کے دور میں شرافت اور دینداری۔ تمہیں تو فخر ہونا چاہئے کہ تمہارا بیٹا برائی کے خاتمے کے لیے پیش پیش رہتا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے اس کو برے اور بھلے میں تمیز کے لیے بڑا روشن اور ستھرا دماغ دیا ہے۔ ان لوگوں کی طرف دیکھو جن کی اولاد سونے جیسے محل نما گھروں میں پر تعیش فضا میں حرام اور گناہ آلود دھندوں میں ملوث ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر خوش بختی ہو سکتی ہے کسی ماں باپ کے لیے۔؟"

تایا جان بلا کے خطیب تھے اور دوسروں کو لاجواب کردینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ شمشیر بھی انہی پر گیا تھا بس فرق یہ تھا کہ تایا جان کے مقابلے میں وہ بہت کم بولتا تھا' صرف ضرورت کے تحت بات کرنے کا قائل تھا۔ مگر سنتا بہت توجہ سے تھا۔

"خدانخواستہ میں نے کب ناشکری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اولاد صالح سے نوازا۔ مگر پھر بھی ماں ہوں۔ آپ جیسا پہاڑ سا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔"

تائی اماں شرمندہ شرمندہ سی اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

ارم بھابھی اور مہرین نے ان کو "اعتدال" میں آتے دیکھ کر شکر کا سانس لیا۔

"کھانا لگ گیا ہے ابا جان! آجائیں امی آپ بھی۔ احمر' مہرین! فٹافٹ آجاؤ اور صالحہ خالہ (مہرین کی امی) کو بھی بلا لاؤ۔"

ارم بھابھی نے مستعدی سے سب کا دھیان بٹا دیا تھا۔ اسی دم باقر بھائی بھی اسٹور سے چلے آئے۔ دوپہر کا کھانا وہ گھر پر ہی کھاتے تھے۔ تایا جان بھی اسٹور پر جاتے تھے مگر عموماً "بارہ بجے گھر آجاتے تھے۔ پھر ڈیڑھ دو گھنٹے آرام کرکے دوبارہ واپس جاتے تھے۔ باقر بھائی کو چونکہ ہر چیز کو خود دیکھنا اور سنبھالنا ہوتا تھا اس لیے وہ ذرا کم ہی گھر پر ٹکتے تھے۔ بقول تائی اماں کے "عملی طور پر تو باقر نے ہی سنبھالا ہوا ہے سب کچھ۔ باپ تو بس نام کو بیٹھتے ہیں۔ ساری ترقی میرے بیٹے کی محنت کی بدولت ہوتی ہے۔" تایا جان خوش دلی سے مسکرا کر جواباً "کہتے۔

"اری نیک بخت! خدا نے توفیق دی" ہم نے اسٹور کھول لیا پھر تمہارے بیٹے کو کاروبار کے اسرار و رموز سمجھا کر اس کے حوالے کردیا۔ اور اس سے بڑھ کر کیا کریں کہ نگرانی کرلیتے ہیں۔ ہمارا کام تو بوٹا لگانا تھا۔ سنبھالنے کا کام اگلی نسل پر چھوڑ دیا ہے۔ پھر اللہ کرے گا تو احمر پڑھائی کے بعد بھائی کا دوسرا بازو بن جائے گا۔"

احمر مہرین سے چھوٹا تھا۔ ان دنوں ایف اے کے پیپرز کی تیاری کررہا تھا۔ فارغ وقت میں وہ بھی شوقیہ باقر بھائی کے ساتھ اسٹور میں بیٹھتا تھا۔ دونوں کے ابو کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ جب مہرین ساتویں کلاس میں تھی۔ اور احمر چوتھی میں تھا۔ اس کے بعد سے تایا جان کی سرپرستی میں وہ لوگ زندگی کے ماہ و سال گزار رہے تھے۔

*...*...*

رات گہری پڑتے ہی اڈے کی رونقیں جاگ اٹھی تھیں۔ یوں تو دن میں بھی کام دھندا چلتا رہتا تھا مگر رات کی تو بات ہی اور تھی۔ بنا کسی دھڑلے کے کھلے

بندوں ہلا گلا رہتا تھا۔

یہ منظر ایک بہت بڑے ہال کا تھا جس کے بائیں کونے میں قمار بازی کی محفل جمی ہوئی تھی۔ دائیں طرف کچھ نیگرو "مسوٹے" لگاتے ہوئے اپنے گاہکوں سے نپٹ رہے تھے۔

ہال کے اوپر بنے کھلے دیوان میں رقص و موسیقی کی محفل عروج پر تھی۔۔۔ رانا شاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے۔

"کہاں گم ہو شہزادے۔۔۔" رانا شاہ کے ایک ساتھی نے افتخار کو ٹھوکا دیتے ہوئے اس کے خود فراموشی کے عالم میں خلل ڈالا تھا۔

"ہوں۔۔۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ رانا شاہ نے بھی اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری نظر سے اس کا چہرہ پڑھا۔

"کیا ذائقہ پسند نہیں آیا۔ کچھ اور منگوائیں۔۔۔" رانا شاہ مصاحب خاص پر تفصیلی نگاہ ڈال کر دلدہی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اپنے بندوں کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ان کی ہر ضرورت کہنے سے پہلے پوری کرتا تھا۔۔۔ کہ یہی اس کا کام کروانے کا انداز بھی تھا۔۔۔ مجبوریاں خرید کر مالا مال کرو اور پھر موم کی ناک بنا کر حسب منشا زاویے پر موڑ دو۔۔۔

"نہیں شاہ جی۔۔۔!" وہ اس کی عنایت پر ذرہ نوازی کے اظہار کے لیے بھرپور طریقے سے مسکرایا۔۔۔ "میں جس کے تصور میں گم تھا' اس کا وجود اس سے کئی گنا زیادہ نشہ آور ہے۔۔۔"

اس کے انداز بے خودی پر رانا شاہ ذو معنی انداز میں مسکرا دیا۔

"تو میری جان حکم کرو۔ اگر وہ کسی بادشاہ کی بیٹی بھی ہے تو تمہاری خاطر محل سے اٹھا لائیں گے۔۔۔"

"تمہاری خواہش ہمارے لیے بڑی قیمتی ہے۔ تم حلیہ اور ٹھکانہ بتاؤ دلبر اور رستم کل صبح تک اسے تمہارے قدموں میں ڈھیر کردیں گے۔۔۔" رانا شاہ نے بڑے کروفر سے کہا۔

"نہیں' ایسی جلدی بھی نہیں۔۔۔ ابھی تو میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔۔۔" افتخار نے سہولت سے منع کردیا۔

"اچھا! پھر ذرا اس نئے اے ایس پی پر تھوڑا سا "کام" کرو۔ کچھ زیادہ ہی "فارم" میں آگیا ہے ان دنوں۔۔۔ ہمارے بندوں نے شکایت کی ہے کہ اب دھندا کرتے ہوئے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ ہم ہر لحاظ سے اپنے ساتھیوں کو مطمئن دیکھنا چاہتے ہیں۔ توجہ ادھر ادھر بٹی رہے تو کام میں دلجمعی پیدا نہیں ہوتی۔ تنویر خان بتا رہا تھا کہ وہ اے ایس پی کسی زمانے میں تمہارا کلاس فیلو رہا ہے۔ اگر تمہاری اس سے کچھ جان پہچان ہے تو پھر تو ہمارا کام خاصا آسان ہو جائے گا۔۔۔"

"جی شاہ جی! آپ حکم کریں۔۔۔" افتخار الجھن بھرے انداز میں بظاہر تابعداری سے بولا۔

"ہم چاہتے ہیں اس کو ذرا "کڑکی" میں لے آئیں۔۔۔" رانا شاہ نے اپنا خاص انداز اختیار کرلیا جو وہ حریف کو زمین دکھانے کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔۔۔ افتخار ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"تم کل اس سے ملو گے اور اسے اطلاع دو گے کہ پرسوں شام اڈے میں نئی کھیپ آئے گی۔ اور نامی گرامی مفرور مجرموں کی دعوت ہوگی۔۔۔"

رانا شاہ نے پراسرار لہجے میں کہا۔

افتخار ششدر سا ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا' البتہ بولا کچھ نہیں۔

"مگر شاہ جی! اس سے کیا ہوگا۔۔۔؟" رستم اپنا اعتراض اور تجسس نہ دبا سکا۔ "اگر اے ایس پی کو ٹھکانے لگانا مقصود ہے تو وہ اس کھپ میں پڑے بغیر بھی آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔۔۔ آپ حکم کریں تو میں تین دن کے اندر اندر اس کا نام و نشان مٹادوں۔۔۔"

"اونہوں۔۔۔ جلد بازی نہیں۔۔۔" رانا شاہ نے سرزنش کی۔۔۔ "ہمارا مقصد اسے گھیرنا نہیں ہے بلکہ اس علاقے سے اس کی توجہ ہٹانا ہے۔۔۔ ایک پولیس افسر کو مار کر کیا ملے گا۔۔۔ کوئی دوسرا آجائے گا اس کی جگہ۔۔۔"

"مگر یہ شمشیر علی آہستہ آہستہ خطرناک بنتا جارہا



ہے شاہ جی۔۔۔ نہ پیسہ لیتا ہے نہ نشے اور عورت سے رغبت رکھتا ہے۔ اسے مٹھی میں نہیں لیا جاسکتا۔ ایسا نہ ہو حلق کا پھندا ہی بن جائے۔۔۔" تنویر خان نے تشویش ظاہر کی۔

"جب بننے لگے گا تو ایک جھٹکے سے خاموش کردیں گے۔ ابھی اپنے "یار لوگ" ذرا مشکل میں ہیں۔ "اوپر" "آنا" "فانا" تبدیلی آگئی ہے۔ جو ہمارے مہربان تھے' فی الوقت ان کے ستارے گردش میں آگئے ہیں۔۔۔ اس لیے ہماری دفاعی لائن کچھ کمزور پڑ گئی ہے۔ ایسے وقت میں مصلحت سے کام لینا پڑے گا۔ جلد بازی نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔" رانا شاہ کے منہ میں قیمتی سگار دبا ہوا تھا۔ وہ کش لیتا ہوا فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

"تو میرے لیے کیا حکم ہے۔۔۔" افتخار بدستور اپنے ذمے لگائے گئے کام کی تفصیل جاننے کے لیے بے تاب تھا۔

"تمہارا کام دوستانہ انداز میں ازراہ ہمدردی اپنے دوست کو اطلاع دینا ہے۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آئے گا۔ یہاں ہم کچھ بے کار بندے اور ناکارہ سامان اور تھوڑی بہت مقدار میں شراب اور چرس رکھوا کر باقی مال سمیٹ کر عارضی طور پر کہیں اور منتقل کردیں گے۔۔۔ ہمارے چند بندے جیل چلے جائیں گے اور کچھ تھوڑا بہت مال پانی پولیس کے ہاتھ لگ جائے گا۔۔۔ اگلے دن چھاپے کی خبر لگ جائے گی۔۔۔ پولیس بھی مطمئن ہو جائے گی اور عوام بھی۔۔۔ شمشیر علی چھاپے سے برآمد ہونے والے سامان اور کچھ بندے پکڑ کر اس اڈے کو اپنی دانست میں "کرائم فری زون" سمجھ کر ادھر سے بے فکر ہو جائے گا۔ اس کی توجہ ہٹ جانے کے بعد ہم پورے اطمینان سے اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔۔۔"

"واہ استاد! کیا زرخیز دماغ پایا ہے آپ نے۔۔۔ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔۔۔"

بڑی دیر سے خاموش بیٹھے دلبر خان نے ایک خوشامدی قہقہہ لگا کر رانا شاہ کے شاطرانہ منصوبے پر داد دی تھی۔۔۔

"واقعی۔۔۔ یہ تو بہت زبردست ترکیب ہے۔۔۔" افتخار نے بھی بھرپور طریقے سے سراہا۔۔۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

دھیرے دھیرے صبح کاذب کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ مسلسل محو رقص لڑکی کے پازیبوں سے بوجھل پاؤں نیند سے بے تال ہونے لگے تھے۔

*...*...*

وہ کچن میں رات کے کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ امی ارم بھائی کے ساتھ ان کے میکے میانوالی گئی ہوئی تھیں۔ ادھر کسی عزیز کی فوتگی ہوگئی تھی۔ سو وہی تائی اماں کے ساتھ آج کل کچن کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی تھی۔۔۔

"شمشیر نہیں آیا مہرین؟۔۔۔" وہ چائے دینے کے بعد لاؤنج میں ایک کشن سنبھال کر بیٹھی تھی کہ تائی اماں نے تشویش بھرے متفکر انداز میں پوچھ لیا۔ نو بجنے کو تھے۔۔۔

"ابھی تو نہیں آئے۔۔۔ آجائیں گے۔۔۔ آج کوئی خاص آپریشن ہے۔ لیٹ ہی واپسی ہوگی۔ بتایا تو تھا انہوں نے آپ کو۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ بھول گئی میں۔۔۔" وہ ہنوز بے چین تھیں۔ "جب تک گھر نہ آجائے' میری جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔۔۔"

"قرض اتارو ملک سنوارو" کے حکومتی پروگرام پر تایا جان اور باقر بھائی میں گرما گرم بحث چھڑی ہوئی تھی۔ بیچ بیچ میں احمر لقمے دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ٹی وی پر وزیراعظم کی تقریر آنے والی تھی۔ جو انہوں نے عوام کے تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرنے کے سلسلے میں کرنی تھی۔۔۔ پہلا خطاب تو اتفاق سے ان میں سے کوئی بھی نہیں سن پایا تھا۔ آج البتہ شمشیر کے علاوہ سبھی موجود تھے۔

"شمشیر بھی آجاتا تو ذرا اچھی طرح محفل جمتی۔۔۔" باقر بھائی نے اظہار خیال کیا۔ ان کی اکثر و بیشتر تایا جان اور شمشیر سے بحث چلتی رہتی تھی۔ تایا جان اور شمشیر کا نقطہ نظر ملتا جلتا تھا جبکہ باقر بھائی

حالات کا تنقیدی نگاہ سے تجزیہ کرنے کے قائل تھے۔ ابھی کل پرسوں بھی شمشیر کے ساتھ اس موضوع پر بحث کر رہے تھے۔

"یہ بجا کہ مقصد نیک ہے مگر یہ جو ہماری جڑوں میں کرپشن بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ یہاں بھی کام کر دکھائے گی۔ لوگ تو ملک و قوم کی آبرو بچانے کی خاطر یہ رضا و رغبت نیک جذبے کے تحت رقم جمع کروائیں گے مگر اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ بینک کے اہلکار اور اس مقصد کے لیے بنائے جانے والے مراکز کے انچارج صاحبان اس رقم میں سے اپنا "کمیشن" نکالے بغیر قومی خزانے میں پہنچا دیں گے۔۔۔؟"

"ہمارا کام نیکی کرنا ہے۔ نیت صاف ہونا شرط ہے۔ جزا تو خدا دینے والا ہے۔۔۔ جس کام کی جزا بندے سے طلب کرنے کی توقع کی جائے وہ فعل نیکی نہیں خود غرضی بن جاتا ہے اور خود غرضی کی بھلا کیا جزا ہو سکتی ہے۔ آپ خلوص دل سے نیک مقصد کے لیے قدم تو بڑھائیں۔ خدا برکت دے گا۔۔۔ توفیق دے گا۔۔۔ خیر کا عمل کسی شرط کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ جو کام اللہ کے لیے ہے۔ اس کے رسولؐ کے لیے ہے' دین کے لیے ہے' ملک و قوم کے لیے ہے' اس کا بہترین انعام اطمینان قلب کی صورت میں ہمیں مل جاتا ہے۔ بشرطیکہ عمل میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہو۔۔۔ وطن کی آبرو کے لیے مالی اثاثہ تو کیا جان کا نذرانہ بھی حاضر ہے۔۔۔"

شمشیر کے لہجے میں' اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر جذبوں کی لپک عجب روشنی سی تھی۔۔۔ باقر بھائی محبت بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔ اس نے اس مہم کے آغاز پر ہی اپنی تین ماہ کی ایڈوانس تنخواہ عطیہ کر دی تھی۔

تقریر شروع ہو گئی تھی۔ سب لوگ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد دروازے پر بیل ہوئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔۔۔

شمشیر تھکے ہوئے متفکر سے انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ وہ پولیس کی وردی میں تھا۔ اہل خانہ کو کھڑے کھڑے سلام کر کے وہ کھانا لگانے کا کہہ کر تبدیل کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

وہ کچن میں آ کر سالن گرم کرنے لگی۔ کچن کے کونے پر دو کرسیوں والی چھوٹی گول میز پر ہی کھانا لگا دیا۔۔۔ شمشیر سلاد بڑے شوق سے کھاتا تھا۔۔۔ وہ فریج سے سلاد نکال کر بنانے لگی۔۔۔ شمشیر لباس تبدیل کر کے کچن میں چلا آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ خاموش اور سنجیدہ تو ویسے بھی وہ رہا کرتا تھا۔ آج کچھ زیادہ ہی چپ بلکہ مضمحل سا لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا شمشیر بھائی۔۔۔ کیسا رہا آپ کا آپریشن۔۔۔؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔۔۔

"بس ہو گیا۔۔۔ دیکھ لینا کل اخبار میں رپورٹ۔۔۔" وہ بے زار کن انداز میں الجھ کر سالن پلیٹ میں نکالنے لگا۔

اس کے آف موڈ کے پیش نظر مہرین نے بھی مزید بات نہیں کی۔۔۔

"صالحہ چچی اور بھابھی کا کب تک واپسی کا پروگرام ہے۔۔۔؟"

"شاید ایک ہفتہ اور لگے گا۔۔۔" سلاد بنا کر میز پر پلیٹ رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔۔۔ "ان کا رقیہ خالہ کے ہاں چند دن رہنے کا پروگرام بھی تھا۔ رقیہ خالہ میانوالی میں رہتی ہیں۔۔۔"

"تمہارے پیپرز کب سے ہو رہے ہیں۔۔؟"

"ابھی فائنل ڈیٹ تو نہیں آئی۔ شاید دو ڈھائی ماہ بعد۔۔۔" اس نے سوچتے ہوئے انداز سے کہا۔ وہ کھانا کھا کر اٹھ گیا تو مہرین بھی برتن سمیٹ کر تھوڑی دیر بعد لاؤنج میں چلی آئی۔۔۔ جہاں منظر ہی کچھ اور تھا۔۔۔ سب لوگ ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔۔۔ جہاں خطاب کا اختتام ہونے کو تھا۔۔۔ وہ لوگ جذب کی سی کیفیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔ خطاب کا ایک ایک جملہ جیسے دل میں اتر گیا۔۔۔ اور حیرت تو اس وقت ہوئی جب تائی اماں نے آنکھوں میں بے اختیار اتر آنے والی نمی کو چھپاتے ہوئے رقت آمیز جوش بھرے انداز میں اعلان کیا۔۔۔

"میں اس مہینے اپنے بجٹ کو کنٹرول کر کے کسی نہ کسی طرح کچھ رقم بچا کر عطیہ کروں گی اس مہم کے



لیے۔۔۔"

"ہائیں۔۔۔" تحیر سے بھرپور کتنے ہی جملے اور نعرے گونجے تھے۔

"ارے بیگم! یہ تم ہی ہو ناں۔۔۔" تایا جان مصنوعی انداز میں گھبرا کر بولے۔

"تو اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے۔ آپ بھی تو اب تک کم از کم دو دفعہ اپنی ہفتے بھر کی "ذاتی کمائی" دے چکے ہیں۔۔۔" باقر بھائی نے تایا جان کو یاد دلایا۔۔۔

"اور اگلے مہینے انشاء اللہ ہمارا نام بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہو گا۔۔۔" باقر بھائی نے بھی دھماکا کر ڈالا۔۔۔

"میں اپنی پاکٹ منی جمع کر چکا ہوں انشاء اللہ کل رقم جمع کرا دوں گا۔۔۔" احمر کیوں کسی سے پیچھے رہتا۔

"اور ہم تشہیر کے عادی نہیں ہیں۔ بہت شروع میں ہی اپنی جانب سے اس نیک کام میں اپنا حصہ ڈال چکے ہیں۔۔۔" مہرین نے فخر سے گردن اکڑ کر کہا۔

"اور میں سب سے پہلے۔۔۔" شمشیر نے بچوں کے سے انداز میں مسرت بھرے لہجے کے ساتھ کہتے ہوئے ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"میرے بچو۔۔۔ خوش رہو۔۔۔ شاد آباد رہو۔۔۔ اور وطن کی آن بنو۔۔۔" تایا جان جذباتی سے ہو گئے اور باری باری سب کو پاس بلا کر پیار کرنے لگے۔

اگلے دن اخبارات میں چرس اور شراب کے ہمراہ ملزموں کی رنگے ہاتھوں گرفتاری کی خبریں شہ سرخیوں سمیت نمایاں تھیں۔۔۔ گھر والوں نے شمشیر کو اس کی کارکردگی پر سراہا مگر وہ نجانے کیوں بجھا بجھا سا تھا۔۔۔ اس کے انداز میں کامیابی پر سرشاری کا کوئی رنگ نمایاں نہیں تھا۔ تایا جان نے کریدا تو وہ بے دلی سے کہنے لگا۔۔۔

"دراصل ابا جان! مجھے جانے کیوں ایک کھٹکا سا لگا ہوا ہے۔ ایک وہم ستا رہا ہے حالانکہ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے کہ بڑے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی تھی۔ میرے دوست نے بذات خود مجھے انفارم کیا تھا مگر کچھ عجیب سا نامانوس احساس میرے دل کو گھیرے ہوئے ہے۔ مجھے لگتا ہے کہیں کوئی چیز مسنگ ہے۔۔۔ میں نئے سرے سے اس کیس پر کام کروں گا۔۔۔ مگر اب کی بار طریقہ کار بہت خفیہ ہو گا۔۔۔ بظاہر یہ کیس فائلوں میں ٹھپ ہو چکا ہے مگر میں ابھی مطمئن نہیں ہوں میں فارغ اوقات میں دوبارہ کام جاری رکھوں گا۔ جب تک کہ پوری طرح تسلی نہیں کر لیتا۔۔۔"

*۔*۔*

"اور سناؤ بے وفا دوست۔۔۔ کیسے ہو۔۔۔" افتخار حیدر بڑے پرجوش انداز میں شمشیر سے گلے مل رہا تھا۔ اچانک ہی جناح سپر میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

"بے وفائی کے صریحاً" جھوٹے الزام پر کوئی دفعہ بھی عائد کی جا سکتی ہے۔۔۔" شمشیر نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔۔۔

"ہاں بھئی۔۔۔ تیرا قانون ہے۔۔۔ تو راجکمار جو ٹھہرا۔۔۔ بے تاج بادشاہ۔۔۔" افتخار نے مصنوعی سرد آہ بھری۔

"چل اداکاری نہ کر۔۔۔ آ ادھر بیٹھتے ہیں۔۔۔" شمشیر اس کے ہمراہ "سیمز برگر" میں چلا آیا۔۔۔ افتخار نے شور بھی مچایا تھا۔

"یار۔۔۔ کیوں زبردستی کرتے ہو۔۔۔ بندے کو نہایت ضروری کام سے جانا ہے ادھر مارگلہ کی طرف۔۔۔" اس کے تصور میں وہی خوابناک سراپا ڈول رہا تھا جسے دوبارہ دیکھنے کی خاطر وہ بلا ناغہ کالج روڈ کی طرف سے گزرتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ چپ چاپ۔۔۔" شمشیر نے عہدے کا رعب جماتے ہوئے سختی سے کہا۔ پھر افتخار کے آنکھیں نکالنے پر ہنس پڑا۔

"اب تو ہاتھ ہی نہیں آتے ہو تم۔۔۔ کن چکروں میں رہتے ہو۔۔۔"

شمشیر کے بظاہر سادہ اور سرسری لہجے میں جانے کیا تھا کہ افتخار ٹھٹھک سا گیا۔۔۔ دل میں چور تھا۔ وہ نظر نہ ملا سکا۔ دل میں انجانا سا دھڑکا جاگ پڑا تھا۔

"چکر کیا ہونا ہے۔۔۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے آپ کو حتی الوسع بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اس کا لہجہ کھوکھلا اور آواز لرزیدہ تھی۔ چہرے کا

رنگ اڑ گیا تھا۔ "کہیں شمشیر میری اصلیت تو نہیں جان گیا۔" وہ اندر ہی اندر گھٹن کا شکار ہو رہا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں، کہاں جاب کر رہے ہو اور گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟۔۔۔"

افتخار حیدر کا تعلق سفید پوش گھرانے سے تھا۔ پانچ کنواری بہنوں کی شادیوں کی ذمہ داری، بوڑھے ماں باپ کی بیماری نے اسے وقت سے پہلے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ روزگار کی خاطر ایم اے کے دوسرے سمسٹر میں یونیورسٹی چھوڑ گیا تھا۔۔۔ اور چھ ماہ جاب کے لیے ٹھوکریں کھانے کے بعد قسمت نے اسے اچانک رانا شاہ سے ملا دیا۔۔۔ بظاہر وہ معاشرے کا ایک معزز فرد تھا۔ اس کی دوائیوں کی ذاتی کمپنی تھی۔ افتخار کو یہاں چھوٹی سی جاب مل گئی۔ اس عرصے میں رانا شاہ نے اس کو ناپ تول کر اپنی "اسپیشل یونٹ" میں شامل کر لیا اور اب وہ بظاہر دوائیوں والی کمپنی میں ملازم تھا مگر در پردہ رانا شاہ کے اس کمپنی کی آڑ میں کیے جانے والے تمبر دو کاموں میں اس کا خاص کارندہ تھا۔

"بس یار! ایک دوائیوں والی کمپنی میں چھوٹی سی جاب ہے میری۔ گزارہ ہو ہی جاتا ہے۔" اس نے اپنے آپ کو مضبوط ظاہر کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا کہ بات گول کرنے سے شمشیر کو شک بھی پڑ سکتا ہے۔ پولیس والے تو یوں بھی بہت چوکنے ہوتے ہیں۔

"بہنوں کی شادی وغیرہ کا سلسلہ ہوا کچھ؟"

"ہاں بڑی دو کی تو شادیاں ہو گئی ہیں۔۔۔؟" بات پلٹ جانے پر وہ دیر سے رکا ہوا سانس بحال کرتے ہوئے سگریٹ سلگانے لگا۔ اس کی انگلیوں میں ابھی تک لرزش تھی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" شمشیر نے دلی مسرت سے کہا۔

"ہاں۔ اللہ کا کرم ہے۔ اور تم سناؤ، تم کب سہرا سجا رہے ہو۔۔۔" وہ اب پر سکون ہو چکا تھا۔

"امی تو بہت کہتی ہیں۔۔۔ پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ مگر فی الحال میرے حتمی گریز پا انداز سے دبک کر بیٹھ رہتی ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ کم از کم پانچ سال تک ابھی شادی کا نام نہ لیں۔۔۔"

"تم تو ہو ہی ضدی۔ شروع سے ہی کھسکے ہوئے ہو۔ خواب دیکھنے اور دکھانے والے سماج سدھار مہم کے ٹھیکیدار۔۔۔"

"خدا کی دین ہے۔۔۔" شمشیر بڑے وقار سے مسکرایا۔ "اس نے توفیق بخشی تو مجھے کسی قابل بنایا۔ احسان مند ہوں اس ذات کریمی کا اور بہت سرخرو ہوں اپنی نظر میں۔۔۔"

شمشیر کے ٹھوس دھیمے لہجے کا تدبر، تحمل اور شان افتخار کو ششدر کر گئی۔ وہ رشک سے اس کا سادہ، بے ریا اور باعزم روپ کو دیکھنے لگا۔ پولیس یونیفارم میں اس کا مضبوط سراپا روشنی کی کرنوں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔

"تم اب بھی وہی ہو شمشیر۔ وہی طالب علمی والے پرجوش، جذباتی اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار شمشیر علی۔" افتخار کے لہجے میں توصیف کا رنگ تھا۔۔۔

"یاد ہے تم وطن کے موضوع پر کیا شعر و شاعری کرتے تھے۔"

"ہاں۔۔۔ سب کچھ یاد ہے۔" شمشیر ایک لمحے کو کھو سا گیا۔

"کیا اس وقت کچھ یاد ہے؟ سناؤ ناں کوئی تازہ کلام۔۔۔" افتخار اس کا ذہن اپنی ذات کی جانب سے ادھر ادھر گھمانے کو جلد از جلد شمشیر کی توجہ کسی دوسری سمت لگانا چاہتا تھا۔ اور ہوا بھی ایسے وہ اسے حال ہی میں پڑھی جانے والی ایک نظم سنانے لگا۔ جس کا عنوان تھا۔ وطن کی پکار۔

میرے خدا۔۔۔!

وطن بھی ہوں، میں ماں بھی ہوں، پناہ بھی ہوں۔

میں پیار ہوں، سکوں بھی ہوں، اماں بھی ہوں۔

میرے وجود کو بھلا کے کب تلک جیو گے یہ۔

مجھے یوں دلدلوں میں چھوڑ کر چلے گئے تو کیا رہے گا ان کے پاس۔

میں کھو گیا جو راہ میں۔ تو کیا کریں گے گمرہی کی رات میں۔



میں جگنوؤں کا دیس تھا۔

میں خوشبوؤں کا بھیس تھا۔

میری ردا بھی چھین کر ہوائے دہر لے گئی۔

میں کیا ہوا۔

دھواں دھواں سے خال و خد، لٹے پٹے سے دست و پا

۔ میرے خدا۔

یہ کیسی بے حسی میں ہیں۔ ذرا بھی سوچتے نہیں۔

یہ جاگتے نہیں۔

تو ہی بتا میں کیا کہوں میں کیا کروں۔

میں تھک کے چور چور ہوں۔ نڈھال ہوں بے حال ہوں۔

یہ درد، دھوپ اوڑھ کر۔ میں دل سے ہنس نہیں سکا۔

کبھی کا سو نہیں سکا۔

میرے خدا مجھے بھی منزلیں دکھا۔

ملا وہ لوگ جن کے دل میں میرا پیار ہے۔

چراغ آنسوؤں کے جو جلا کے میرا نام روشنی سے بھر گئے۔

کہاں ہیں وہ میرا خدا۔

مجھے بھی کوئی آس دے۔ محبتوں کی یاس دے۔

یہ مہر غم غروب کر۔ یہ دھوپ اب سمیٹ لے۔

آسودگی کے خواب کو میری منڈیر پر سلا۔

جو خواہشوں کے دیپ ہیں انہیں جلا۔

تھکی ہوئی ساعتوں کو پیار کی صدا سنا۔

میرے خدا۔ مجھے بچا۔

یہ درد کی مسافتیں، یہ ساعتیں انہیں مٹا۔

میرے خدا۔۔۔

اس قدر جذبہ اور دلسوزی تھی شمشیر کے گمبھیر لہجے میں کہ افتخار اندر تک پگھل گیا۔ اسے یوں لگا، دل کی جگہ جیسے کوئی سیال بہہ نکلا ہو۔ نظم پڑھتے ہوئے شمشیر کی موٹی موٹی ذہین آنکھوں میں جو چراغ جھلملا رہے تھے، ان کی روشنی افتخار کے دروں پر دستک دے رہی تھی۔ کتنا پاکیزہ اور الوہی سا لگ رہا تھا شمشیر کا چہرہ۔ افتخار کے کچوکے لگاتے ضمیر نے بڑا اچانک چھاپہ مارنے کے سے انداز میں اسے جھنجھوڑ ڈالا۔۔۔ وہ خود اپنی کیفیات سے خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

دوستی اور حب الوطنی اپنی جگہ مگر اسے اپنے وجود کی بقا اور اپنے گھر والوں کی خوش حالی کے لیے انہی ٹیڑھی راہوں پر چلنا تھا، جن کا وہ انتخاب کر بیٹھا تھا۔

دولت اور آسودہ حالی کے خواب ذہن کے دریچوں میں جھلملائے تو روشن ہونے کے لیے کروٹ لیتے دل کی ساری نرم روشنیاں پھونک مار کر بجھا گئے۔

"اچھا یار! پھر ملیں گے۔۔۔ میں چلتا ہوں۔ کچھ کام ہے۔۔۔" وہ شمشیر کی سمت دیکھے بنا اضطراری لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔

شمشیر ہنوز اسی عالم بے خودی میں بیٹھا ہوا تھا جو نظم پڑھتے ہوئے خود بخود اس پر چھا گئی تھی۔ اس کے دل میں عزم کی لہریں موجزن تھیں۔

*۔۔*۔۔*

وہی دلکشی، وہی شان بے نیازی، وہی طلسمی ہالہ، کتنے عرصے بعد اس کی نظر سیراب ہو رہی تھی۔ وہ حسب سابق سڑک کے کنارے پر کھڑی بائیں طرف گردن موڑے متوجہ تھی۔ جسم سرخ پھولدار چادر میں چھپا تھا۔ مومی شفاف ہاتھوں میں چند کتابیں تھیں اور چہرے پر انتظار کی کوفت سے پیدا ہونے والی بیزار کن جھنجھلاہٹ۔

افتخار حیدر کی بھرپور نگاہ اس کے سراپے کا ایک ایک نقش چھو رہی تھی۔ خراج تحسین پیش کرتی وہ گرم نگاہیں جونہی مہرین کے نوکس میں آئیں، اس نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر چہرے پر غضب آلود سے شعلے لپکنے لگے۔ برہمی سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" وہ بالکل سامنے آ کر رکا تھا۔ نظریں بدستور اس کی دلنشیں سراپے کا طواف کر رہی تھیں۔ لہجہ خود بخود سبک اور نرم پڑ گیا تھا۔

مہرین نے ایک ترچھی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر جواب دینے بنا نظریں دوسری سمت ٹکا دیں۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔ حسن کی یہ ادا بھی من کو بھا گئی تھی۔

"آپ اتنے دن کہاں رہیں۔ میں روز یہاں سے

گزرتے ہوئے آپ کو ڈھونڈتا تھا"۔ وہ بے اختیار کہہ بیٹھا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں نا۔۔۔" وہ برہمی سے دھیمے لہجے میں ہونٹ چباتے ہوئے اسے سخت نگاہوں سے گھورنے لگی۔

"اب نہیں رہا بخدا۔۔۔" افتخار حیدر خود کو بے قابو ہونے سے نہ بچا سکا۔۔۔

"مس! آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔۔۔" وہ طے کر چکا تھا کہ آج ہر صورت اس سے اتا پتا اگلوانا ہے۔۔۔ وہ یہ موقع ہاتھ سے نہیں گنوانا چاہتا تھا۔ جانے کب پھر دوبارہ ملنا ہو۔۔۔

"آپ براہ کرم یہاں سے تشریف لے جائیں۔۔۔" مہرین کا ضبط تمام ہونے کو تھا۔ چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ افتخار بے اختیار دیکھتا رہ گیا۔

"دیکھئے۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ میرا مقصد آپ کو تنگ کرنا نہیں ہے بلکہ۔۔۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے تحمل سے بولا۔

"اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو میں ہی چلی جاتی ہوں۔ ہونہہ۔۔۔"

وہ دانت کچکچا کر سر جھٹکتے ہوئے تیز تیز قدموں سے سیدھی چلتی گئی۔۔۔ اور اس سے کافی دور چلی گئی۔۔۔ افتخار سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا اس کے پیچھے جانے کو تھا کہ معاً" ایک پولیس جیپ مہرین کے قریب رکی اور وہ پلک جھپکتے میں اس میں سوار ہو گئی۔ افتخار حیدر نے بھنویں سکیڑ کر بغور فرنٹ سیٹ کا جائزہ لیا اور پھر جیسے زمین و آسمان اس کے سامنے گھوم کر رہ گئے۔ اس کا دوست اے ایس پی شمشیر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

*_*_*

"لو بھئی بنو! اب تم بھی "نیٹ" جاؤ گی کچھ عرصے بعد۔ بی اے کے پیپرز ختم ہو گئے ہیں ناں۔۔۔" ارم بھابھی سالن میں چمچہ ہلاتی ہوئی کچن کی سمت آتی مہرین کو دیکھ کر چھیڑ رہی تھیں۔

"جی نہیں۔ رقیہ خالہ سے امی نے کہا ہے کہ اس کا رزلٹ آنے کے بعد یہ بکھیڑا ہو گا۔۔۔" وہ مسکراہٹ دبا کر شان بے نیازی سے بولی۔

"اچھا۔۔۔ یعنی کچھ عرصہ مزید ہمیں نند کی ناخوشگوار موجودگی برداشت کرنا ہو گی۔۔۔" ارم بھابھی نے مایوسی سے مصنوعی آہ بھری۔

مہرین بے ساختہ ہنس دی۔

"جناب بے فکر رہیں۔ ایسے نہیں آپ کو چھوڑ کے جاؤں گی۔ جگہ پر کرنے کے لیے ایک عدد بھابھی آپ کے سر پر مسلط رہے گی۔ دیورانی کی صورت میں۔۔۔"

وہ چائے کا پانی رکھتے ہوئے دوبدو کہہ رہی تھی۔۔۔

"پہلے شمشیر بھائی کے "باجے" بجوائیں گے۔ پھر مابدولت رخصت ہوں گے یہاں سے۔۔۔"

"پھر تو قیامت کی امید رکھو۔۔۔" بھابھی نے قدرے جل بھن کر کہا۔ دیور کے شادی سے مسلسل انکار پر وہ بھی اپنی ساس کی طرح بہت نالاں رہتی تھیں۔ دو سال پہلے جب مہرین نے بی اے میں ایڈمیشن لیا تھا تو رقیہ خالہ اپنے انجینئر بیٹے سلمان کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ رشتہ ہر لحاظ سے موزوں تھا پھر اپنا خون تھا۔ امی نے تائی سے مشورہ کرنے کے بعد انہیں رضامندی دے دی تھی البتہ باقاعدہ رسم کرنے اور "اعلان سطح" پر اعلان کرنے کے بارے میں یہ طے پایا تھا کہ مہرین کے بی اے کرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ رقیہ خالہ کو اب امتحانات کے اختتام کی خبر یلی تو فون کے ذریعے چھوٹی بہن کا عندیہ لیا۔ امی نے تائی جان سے صلاح کے بعد انہیں اشارہ دے دیا چنانچہ اب کچھ روز بعد رقیہ خالہ منگنی کی رسم کے لیے آ رہی تھیں۔ بقول امی اور تائی کے "گھر کی بات ہے" اس لیے منگنی بہت سادگی سے ہو رہی تھی۔۔۔ کیونکہ تین چار ماہ بعد شادی کا ارادہ تھا۔ خیال تھا کہ سارا دھوم دھڑکا شادی پر کر لیں گے اس لیے خاندان میں ابھی تک منگنی کی خبر عام نہیں کی گئی تھی۔

"ہائے کیوں۔۔۔ مجھے تو اتنا شوق ہے اس گھر میں شادی کے ہنگامے دیکھنے کا۔ یاد رہے اپنے علاوہ۔۔۔" اس نے آخر میں مسکرا کر وضاحت پیش کی۔

"تائی جان! کچھ کیجئے ناں اس بارے میں۔۔۔" اس



نے تائی اماں کو بھی ساتھ ملایا۔

"بچی! میں تو کہہ کہہ کر ہار گئی۔ یہ وقت آن پہنچا۔۔۔" انہوں نے دلبرداشتہ ہو کر تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔ ان کے چہرے پر مایوسی اور آزردگی کے سائے تھے۔

"وہ بھلا مانس خیر سے مانتا ہی نہیں۔ شادی کا نام سن کر ہی ہتھے سے اکھڑ جاتا ہے۔ کہتا ہے پانچ سال بعد سوچوں گا۔ اب بھلا کوئی اپنی بیٹی کو اتنا عرصہ گھر بٹھاتا ہے۔ اسی لیے بات نہیں چلائی کہ کیوں ناحق اگلوں کو پابند کروں۔۔۔" وہ جیسے بھری بیٹھی تھیں۔

بالآخر رقیہ خالہ کی آمد کا دن آن پہنچا۔ وہ شام کی ٹرین سے آ رہی تھیں۔ ان کے ہمراہ ان کی دیورانی اور بڑی شادی شدہ بیٹی نائلہ بھی تھیں۔ اس لیے بھابھی نے ضرورت سے زیادہ اہتمام کر رکھا تھا۔ مہرین کے ذمے گھر کی صفائی ستھرائی تھی۔

"افوہ! بھئی کیا حشر مچایا ہوا ہے۔" شمشیر آج گھر پر ہی تھا اور بھابھی اور مہرین کو زور و شور سے صفائیاں کرتے دیکھ کر ناگواری سے کہہ رہا تھا۔

"صفائی کرنا ہے شمشیر بھائی! شام کو مہمان آ رہے ہیں۔۔۔" مہرین اس کے بیزار کن موڈ کو بحال کرنے کے لیے جلدی سے وضاحت کرنے لگی۔

"کیسے مہمان؟" اس نے جھنجلاتے تاثرات سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔" مہرین کے چہرے پر بے ساختہ گلابی سی بکھر گئی۔ وہ جھک کر چپ ہو گئی۔ بھابھی کا فلک شگاف قہقہہ مزید اس کو گلال کر گیا۔ شمشیر ہونق بنا دونوں کو تحیر سے دیکھ رہا تھا۔ اسے دونوں ہی "آؤٹ آف آرڈر" لگیں۔ بھلا ایسا کیا لطیفہ پوچھ لیا میں نے۔

"آپ کا کمرہ صاف کرنا ہے شمشیر بھائی! ذرا تھوڑی دیر کے لیے آپ لاؤنج میں چلے جائیں گے؟۔۔۔" مہرین بات پلٹنے کو بولی۔

"اچھا۔۔۔ مگر جلدی کرنا' مجھے بہت ضروری کام ہے۔۔۔" وہ بادل نخواستہ لاؤنج میں چلا آیا۔ تائی اماں چمکتے دمکتے کپڑوں کا بازار سجائے سوچ میں گم تھیں۔

"اے شمشیر! مجھے یاد آیا۔ مٹھائی لانا ہے بازار سے۔ آخر پاس پڑوس اور عزیز رشتہ داروں میں تو بانٹنا ہی ہو گی۔۔۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ ماں سے کچھ فاصلے پر پڑے کشن کو اپنے قبضے میں کرتے ہوئے کسل مندی سے پوچھنے لگا۔

"بھئی رسم کرنا ہے۔ سادگی سے ہی سہی مگر اسلام آباد کے عزیزوں کو تو اطلاع کرنا ہی ہو گی۔۔۔" وہ اپنے ہی حسابوں میں تھیں۔

"کیسی رسم۔۔۔" وہ اپنی فائل کھولتے ہوئے بے دھیانی سے بولا۔

"مہرین کی منگنی کی۔۔۔ یا خدا تم کہاں ہوتے ہو۔۔۔؟" وہ اس کی بے خبری پر صحیح معنوں میں جھنجلا گئیں۔ "رقیہ آ رہی ہے بھئی۔ اس کے بیٹے سلمان سے بات طے ہوئی تھی ڈیڑھ دو سال پہلے۔ اب کی بار وہ رسم کے لیے آ رہی ہے۔۔۔ شادی چار ماہ بعد ہو گی۔ یہ صالحہ کہاں رہ گئی۔ ابھی مہرین کی منگنی کا جوڑا منگوانا رہتا ہے۔ کل شام کو رسم کریں گے۔ آج تو وہ لوگ تھکے ہوئے ہوں گے۔ اور ہاں تم بھی ادھر ادھر نہ نکل جانا۔ شام میں ذرا جلدی آ جانا۔"

تائی اماں تو اور بھی جانے کیا کہہ رہی تھیں مگر شمشیر کی سوئی ایک ہی جگہ اٹک گئی تھی۔

"مہرین کی منگنی۔ سلمان سے۔۔۔؟" اسے لگا جیسے چھت سر پر آ رہی ہو۔ ایک دم گہری دھند دل کی فضاؤں میں چھا کر اندر کی دنیا تاریک کر گئی تھی۔

"تو اور کس سے ہونی۔۔۔؟" تائی اماں نے جتانے والے انداز میں بیٹے کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔۔۔

"مگر امی! یہ کب طے ہوا اور۔۔۔ اور آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔۔۔؟" وہ حد درجہ اضطراب سے مٹھیاں کھول اور بھینچ رہا تھا۔ لہجے میں بے کلی تھی۔

"کوئی ایک دفعہ بتایا تھا؟۔۔۔" وہ دل گرفتہ ہوئیں۔ "کتنی ہی بار تم سے شادی کا کہا مگر تمہارا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ پانچ سال سے پہلے نہیں اب اتنے عرصے کے لیے میں کیسے صالحہ کو پابند کرتی پھر مہرین کے ساتھ کیوں زیادتی کرتی۔ وہ بھی تو اپنا ہی خون ہے۔

ڈیڑھ دو سال پہلے جب رقیہ نے صالحہ سے کہا تھا تو صالحہ نے سب سے پہلے میرا عندیہ لیا تھا۔ میں نے تم سے شادی کی بات کی تو تم بغیر سنے بپھر گئے کہ پانچ سال سے پہلے نہیں۔۔۔ میں کیا کرتی پھر۔۔۔ کس برتے پر کچھ کہتی۔۔۔ حالانکہ میں جانتی تھی صالحہ اسی لیے مجھ سے پوچھ رہی تھی، وہ بھی بیٹی کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔ مجھے بادل نخواستہ چپ ہونا پڑا اور میری خاموشی کو سمجھتے ہوئے صالحہ نے رقیہ سے بات کرلی۔۔۔" وہ بجھے ہوئے انداز میں تفصیل بتا رہی تھیں۔

"مگر امی۔۔۔" وہ بے چین سا ہوگیا۔ "آپ پلیز دوبارہ بات کرلیں صالحہ چچی سے۔۔۔" وہ بالآخر دبے دبے مدہم لہجے میں اپنے دل کی خواہش کو زبان دے بیٹھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" تائی اماں کو جھٹکا سا لگا۔

"مہرین یہیں رہے گی۔ اسی گھر میں۔۔۔" وہ نظر چرا کر اپنا آپ بے نقاب کرکے کمرے سے نکل گیا۔ تائی اماں کو حیرت میں ڈال کر۔

کمرے میں آیا تو وہ سارے زمانے سے بے خبر جھاڑ پونچھ میں لگی ہوئی تھی۔ شمشیر نے ایک گہری جانچتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

سرخ اور سبز کاٹن کے ملگجے سے سوٹ میں بے ترتیب چٹیا لیے جھک کر ڈریسنگ ٹیبل پر کپڑا پھیر رہی تھی۔ نرم گلابی چہرے پر پسینے کے قطرے موتی بن کر دمک رہے تھے۔ پیشانی کی کچھ لٹیں پسینے سے بھیگ کر چپک گئی تھیں پھیلی پھیلی سرمئی آنکھوں میں چمکدار سی دلکش کیفیت بہت کشش انگیز تھی۔

شمشیر ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ اس سے قبل اس نے اتنی جسارت آمیز نگاہ سے اس کا سراپا نہیں جانچا تھا کہ وہ وقت سے قبل جذبوں کو زبان دینے کا قائل نہیں تھا۔ بس اس کے ہونے کے احساس کی خوشبو ہی کافی ہوتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک چور نگاہ ڈال کر دید کی طلب پوری کرلی۔ اسی سے جی کی تشنگی بجھ جاتی تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ اپنی چیز ہے۔ اپنی ہی دسترس میں رہنی ہے پھر کاہے کی عجلت ہے۔ یہ تو اچانک انکشاف کیا تھا تائی اماں نے وگرنہ وہ تو بے موت مارا جاتا۔

مہرین اپنی دھن میں مگن تھی۔ شمشیر کے آنے کا احساس ہوگیا تھا اسی لیے جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی کہ پھر کہیں اس کا موڈ نہ الٹ جائے۔۔۔ یقیناً" اپنا کام کرنا ہوگا انہیں۔ وہ غصہ ور تو نہیں تھا۔ کم ہی بولتا تھا مگر اس کی سنجیدگی اور رعب کی وجہ سے سبھی اس سے خائف رہتے تھے۔

کسی غیر معمولی احساس پر مہرین نے پلٹ کر دیکھا، وہ بند دروازے کے بیچوں بیچ بے حس و حرکت کھڑا اس کی سمت متوجہ تھا۔

"خیریت تو ہے شمشیر بھائی۔۔۔" وہ سمجھی جلدی صفائی نہ کرنے کی وجہ سے خفا ہونے کو پر تول رہا ہے۔۔۔ "بس صفائی مکمل ہوگئی ہے۔"

"مہرین۔۔۔ تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔۔۔" اس کی بات کا جواب دیئے بغیر وہ کچھ سوچ کر بھاری لہجے میں بولا۔ مہرین الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"جی کہئے۔۔۔" اس نے کپڑا ڈریسنگ ٹیبل سے ہٹا کر سیدھا ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ منگنی تمہاری پسند سے ہو رہی ہے؟" وہ عین اس کے مقابل آگیا۔

"جی۔۔۔؟" وہ پہلے چونکی اور پھر جھینپ سی گئی۔۔۔ اس قدر سنجیدہ اور بے خبر بندے سے اس ذاتی سے سوال کی قطعاً" توقع نہیں تھی۔۔۔ وہ ایسے کاموں میں یا ایسی باتوں میں کہاں دلچسپی رکھتا تھا بھلا۔

"میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں شمشیر بھائی!" اس کا خیال تھا کہ وہ اسے چھیڑنے کی خاطر پوچھ رہا ہے۔ اس لیے دامن بچا کر کھسکنا چاہا۔ نجانے کیوں اس سے اسے کچھ زیادہ ہی شرم محسوس ہو رہی تھی اس حوالے سے بات کرتے ہوئے۔

"مجھے چائے نہیں اپنی بات کا جواب چاہیے۔۔۔" اس نے قطعی تیور لیے مکمل طور پر اس کا راستہ روک لیا۔

مہرین اس کے چہرے کی گمبھیرتا سمجھنے میں ناکام ہو کر جز بز سی ہاتھ مسلنے لگی۔۔۔



"میری سمجھ میں نہیں آرہا، آپ کیوں پوچھنا چاہ رہے ہیں۔۔۔" وہ ہچکچا کر سر جھکا گئی۔

"کیا تمہیں واقعی نہیں پتا۔۔۔؟" بہت مدہم سے سرگوشیانہ انداز میں جانے کیا چیز غیر معمولی پن کا احساس دلا گئی تھی کہ مہرین نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ششدر رہ گئی۔

شمشیر کے لہجے میں، چہرے پر، آنکھوں میں کچھ نامانوس سے جذبوں کی لپک تھی۔۔۔ اس کے اضطراری انداز اور بے چینی مہرین کو کچھ محسوس کرنے پر اکسا رہی تھی۔ مہرین سمجھنے نہ سمجھنے کی سی کیفیت سے دوچار ہو رہی تھی۔ اس کے مضبوط آہنی سراپے کو خود سے اتنا قریب محسوس کرتے ہوئے بے اختیار اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ وہ جھک کر پیچھے ہٹ گئی۔ ان لمحوں کا طلسم دونوں پر اثر کر گیا تھا، بن کہے بہت کچھ کہہ سن لیا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔۔۔" وہ پریشان ہو کر باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈنے لگی۔

شمشیر کے لبوں پر دلفریب تبسم رقصاں ہوگیا۔ اس کی جھجک اسے سمجھا گئی تھی کہ وہ اس کے سوال کی تہہ تک پہنچ گئی ہے۔

بھلا اس نے کب دیکھا تھا، شمشیر کو اس قسم کے چلبلے اور شوخ انداز میں۔۔۔

"یہ تو بتاتی جاؤ کہ امی صالحہ چچی سے بات کرکے میرے بارے میں عندیہ لیں گی تو ہاں کردوگی ناں۔۔۔" وہ بہت خوبصورت مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

مہرین کا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ لگ رہا تھا یہیں شمشیر کی گرم نظروں سے پانی بن کر بہہ جائے گی۔ وہ حواس باختہ ہو کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ البتہ اس کے چہرے کی چمکتی ہوئی سرخیوں میں شمشیر نے اپنے سوال کا جواب پالیا تھا۔ اب وہ مسرور سا صالحہ چچی کے کمرے کا رخ کر رہا تھا۔

"امی بھی عجیب ہیں۔۔۔ اتنی بار شادی کا پوچھا تو سارا معاملہ کیوں ظاہر نہیں کیا۔۔۔ میرا تو خیال تھا کہ امی مہرین کے لیے ہی مجھ سے پوچھتی ہیں۔ میں نے تو بچپن سے ہی اسے اپنی ملکیت سمجھ لیا تھا۔ کہ وہ میرے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔"

وہ جانتا تھا صالحہ چچی کے لیے بہت مشکل مرحلہ ہوگا۔ ڈیڑھ دو سال پہلے بہن سے بات کر چکی تھیں مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ شمشیر کو بہت چاہتی تھیں۔ پھر ان کی بھی یہی خواہش رہی تھی۔ شکر یہ ہوا کہ بات عام نہیں ہوئی تھی منگنی کی۔ تائی نے پہلے صالحہ کو منایا اور پھر دونوں نے مل کر رقیہ خالہ سے معافی تلافی کے بعد معاملہ ختم کردیا ہر چند کہ رقیہ خالہ بہت بھڑکی تھیں مگر انہیں بالآخر ہار ماننا پڑی۔ تائی اماں کی خوشی دیدنی تھی۔

اگلے روز مہرین کی منگنی ضرور ہوئی مگر اب انگلی میں انگوٹھی شمشیر علی کے نام کی جگمگا رہی تھی۔

*_*_*

"شاہ جی! بہت ہوگئی۔ یہ بندہ تو ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ ہم سمجھتے تھے پیچھا چھوٹ گیا ہے مگر وہ تو جونک بن کر چمٹ گیا ہے۔۔۔ جہاں مال پہنچنے کی اطلاع ملی۔ چھاپہ پڑ گیا۔ حد ہوگئی ہے۔ شاہ جی اب اس اے ایس پی کا کچھ "پکا" بندوبست سوچیں۔۔۔" رستم، رانا شاہ کے بائیں طرف صوفے پر بیٹھا ہوا ٹھنے پھلا کر کہہ رہا تھا۔

"تم صحیح کہتے ہو۔۔۔" رانا شاہ نے انگلیوں میں پڑی ہیرے کی قیمتی انگوٹھیوں کو بغور دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ اور پھر اپنے دائیں سمت سوچوں میں گم بیٹھے افتخار کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا خیال ہے افتخار۔۔۔ اس اے ایس پی کو "اوپر" نہ بھیج دیا جائے۔۔۔" رانا شاہ کا لہجہ خاص ہوگیا۔

افتخار نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ رانا شاہ کے چہرے پر حد درجہ سفاکی تھی۔ افتخار اندر ہی اندر کچھ سہم سا گیا۔ کچھ بھی سہی شمشیر اس کا دوست تھا۔۔۔ یار تھا، سجن تھا۔ مگر یہاں وفاداری کا امتحان بھی تو درپیش تھا۔

"میں سمجھا نہیں شاہ جی۔۔۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ لیے بولا۔

"سیدھا سا مطلب ہے۔۔۔ ہم اس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔" رانا شاہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ افتخار کو یوں لگا جیسے رانا شاہ اس کے اندر کی سوچیں پڑھ لینا چاہتا ہو۔ اور اس کے جذبہ دوست داری کو جانچنا چاہ رہا ہو۔

افتخار کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا' وہ اتنا جذبوں سے بھرپور' مخلص' پاکیزہ' اتنا خوبصورت سراپا گولیوں سے چھلنی ہو جانے کے بعد کیسا لگے گا۔۔۔! وہ سوچ کر ہی وحشت زدہ ہو گیا۔

"سنا ہے کچھ عرصے بعد اے ایس پی کی شادی ہونے والی ہے اسی کزن کے ساتھ جس پر تمہارا دل آگیا ہے۔۔۔" دلبر خان نے بڑے سلیقے سے ترپ کا پتا پھینکا۔

افتخار بری طرح چونک پڑا۔۔۔ رانا شاہ کے بندے اندر کی خبر لانے میں ملکہ رکھتے تھے۔ اسے یاد آیا۔ پچھلی ملاقات پر تو شمشیر نے اسے بتایا تھا کہ اس کی منگنی ہو گئی ہے اور دو تین ماہ بعد شادی ہے۔ تم کو ضرور آنا ہے۔۔۔ وہ حیران ہو کر سوچ رہا تھا کہ آخر پتھر میں بھی جونک لگ گئی۔ اس وقت خبر نہیں تھی کہ اس کی شادی اسی لڑکی سے ہو گی۔

"سوچ لو استاد۔۔۔" رستم نے معنی خیز نظروں سے افتخار کی شکل دیکھی۔۔۔ "اگر اے ایس پی دنیا سے چلا گیا تو تمہاری محبوبہ تم کو مل جائے گی۔۔۔"

افتخار کی نگاہوں تلے اس کا دلربا چہرہ آگیا۔ وہ دلنشین سراپا' وہ قیامت خیز حسن اس کا ہو جائے گا۔ ہمیشہ کے لیے اس کی دسترس میں ہو گا۔۔۔ یہ سوچ ہی کس قدر سہانی اور خوشبودار تھی۔

"مگر اس کے لیے کرنا کیا ہو گا؟۔۔۔" وہ ہار مان کر رانا شاہ سے پوچھنے لگا۔

اب وہ دوست نہیں رقیب اور حریف اول محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ وہ صرف اس کی ہے۔۔۔ صرف اور صرف اس کی۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی اسے چھو بھی نہیں سکتا۔۔۔ وہ جانتا تھا' محض جذبوں کے بل پر وہ اسے نہیں پا سکتا۔ کہ وہ بارہا اسے دھتکار چکی تھی۔ اس سے نفرت کرتی تھی۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا اسے پانے کا۔

وہ بہت توجہ سے رانا شاہ کی اسکیم سننے لگا۔۔۔

*۔۔*۔۔*

مہرین کی طبیعت خراب تھی۔ اتفاق سے ان دنوں تایا جی اور باقر بھائی شہر سے باہر تھے۔ سوتائی کے کہنے پر شمشیر شام کو اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ کلینک سے واپسی پر وہ گاڑی کی طرف آرہا تھا جب راہ میں افتخار حیدر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شمشیر کو اپنی ریپوٹیشن کا ہمیشہ سے بہت خیال رہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ افتخار کے دل میں کوئی اور خیال آتا' شمشیر نے سلام دعا کے بعد تعارف کرا دیا۔

"یہ مہرین ہیں۔ میری منگیتر اور یہ افتخار حیدر۔ میرا دوست' کلاس فیلو بھی رہا ہے۔۔۔" اس نے مختصراً بتایا۔ مہرین نے چونک کر افتخار کی سمت دیکھا۔

ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ناگوار تاثرات جگمگائے پھر سرد سے انداز میں سلام کر کے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

افتخار حیدر کی نگاہ اس کے سراپے کا ایک ایک نقش کھوج رہی تھی۔ سیاہ چادر میں اس کا بیمار بیمار زرد تھکا ہوا مضمحل چہرہ اس عالم میں بے پناہ کشش انگیز لگ رہا تھا۔ شمشیر کے تعارف کروانے پر چند ثانیے کو وہ ساکت رہ گیا۔ گویا دلبر کے بیان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اسے لگا جیسے آناً "فاناً" شمشیر کا دوست دار چہرہ کسی پھن پھیلائے ہوئے زہریلے ناگ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اور دل اس ناگ کا پھن کچلنے کو بے تاب ہونے لگا تھا۔

"مجھے ایک بہت ضروری انفارمیشن دینا تھی تم کو۔۔۔" افتخار حیدر آناً "فاناً" فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کا ٹھوس لہجہ پراسرار سے انداز میں گویا شمشیر کے تجسس کو ہوا دینے لگا۔

"اڈے کے شمال کی جانب پہاڑی ٹیلوں کی جانب مال کے گودام بھرے ہوئے ہیں۔ سنا ہے آج کل ادھر پہرہ خاصا نرم ہو گیا ہے۔۔۔ میں تم کو مناسب وقت دیکھ



کر کسی روز اطلاع کر دوں گا۔ رات کو کسی پہر یہاں آکر تم مکمل ثبوت حاصل کر سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ بغیر کسی فورس کے بالکل اکیلے آؤ۔۔۔ اگر پولیس فورس سمیت آؤ گے تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔۔۔"

رانا شاہ نے کہا تھا کہ اے ایس پی بہت چالاک ہے اگر اسے غلط جال پھیلا کر دام میں لانے کی کوشش کی گئی تو الٹا ہم خود پھنس جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو انفارمیشن تم اسے دو' وہ تم سے پہلے اس کے بارے میں جانتا ہو اور تمہارے غلط انفارم کرنے پر وہ منصوبہ جانچ لے۔ اس لیے ہم اسے بالکل درست اطلاع دیں گے تاکہ منصوبے میں کوئی جھول نہ رہے۔

"مگر تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟۔۔۔" شمشیر نے تولتی ہوئی نظروں سے اپنے دوست کا چہرہ جانچا۔ افتخار حیدر بڑی مشکل سے اپنی گھبراہٹ چھپانے میں کامیاب ہوا تھا۔ پھر بھی ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلنے کو تھا۔

"میرے اپنے ذرائع ہیں۔ رانا شاہ کی دوائیوں والی کمپنی میں میری جان پہچان کا ایک بندہ ہے' اس سے اطلاعات ملتی ہیں۔۔۔" وہ نگاہ کترا کر جلدی سے بولا۔

"ہونہہ۔۔۔" شمشیر نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ افتخار کو جانے کیوں بے چینی سی ہو رہی تھی شمشیر کے چہرے کے گم صم تاثرات جانچ کر۔۔۔

"بے فکر رہو' بڑے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔۔۔" افتخار نے مزید کہا۔

"مجھے تم پر اعتماد ہے دوست۔۔۔" بالآخر شمشیر مسکرا دیا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نرمی سے کہنے لگا۔ "ظاہر ہے تم میرے دوست ہو۔ مجھے کوئی غلط اطلاع کیسے دے سکتے ہو۔ یہ بھی بڑی بات ہے کہ تم بلا کسی غرض و لالچ کے محض قومی ہمدردی میں میرے ساتھ تعاون کر رہے ہو۔ یہ تمہارا مجھ پر اور میرے بعد اس قوم پر بڑا احسان ہے۔" شمشیر مسکرا رہا تھا افتخار سمجھ نہیں سکا کہ وہ طنز کر رہا تھا یا روانی میں کہہ گیا تھا۔

"کل کے اخبارات میں تمہارے کامیاب چھاپے کی بڑی دھوم مچی تھی۔۔۔ کل تم نے پیرودھائی اڈے سے کچھ غیر ملکیوں کو سرعام منشیات فروشی کرتے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا۔۔۔" افتخار بات کا رخ موڑنے کو بمشکل اپنی تلخی چھپا کر اسے مبارک باد دے رہا تھا۔ حالانکہ اس چھاپے سے ان کا بڑا نقصان ہوا تھا۔ رانا شاہ اور اس کے ساتھی چوٹ کھائے ہوئے ناگ کی طرح تلملا رہے تھے۔ رانا شاہ نے فی الفور افتخار کو اس مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ اعلیٰ سطح کے اجلاس میں یہ طے پا چکا تھا کہ اے ایس پی شمشیر کو مزید مہلت دینا سراسر گھاٹے کا سودا ہو گا اس لیے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ ترتیب دے دیا گیا تھا۔

"یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ میں اپنی نظروں میں اس وقت سرخرو ہوں گا جب واقعی یہ دیس جگنوؤں کا دیس اور خوشبوؤں کا بھیس بن جائے گا۔۔۔ جب دور دور دھوپ سمٹ جائے گی اور روشن منزلیں خود بخود قدم چومنے کو بے تاب ہو جائیں گی۔۔۔"

شمشیر کی نظریں دور کہیں اپنے خوابوں کی تعبیریں دیکھ رہی تھیں۔۔۔ لہجہ کھویا کھویا اور دھیما سا تھا۔ وہی طلسمی لہجہ جو افتخار حیدر کے نفس پرست دل کو کچوکے لگتا تھا۔ اسے کمزور کر دیتا تھا۔ وہ اس کمزوری سے بچنا چاہتا تھا۔ اسی لیے بات ختم کر کے اجازت طلب کی۔ شمشیر پھر بات کرنے کا کہہ کر ہاتھ ملا کر گاڑی میں جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی آگے رینگ گئی۔

"کچھ عرصے کے بعد پھر تم اسی طرح میرے پہلو میں بیٹھی ہو گی۔" افتخار کی چمکتی ہوئی نگاہیں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی شمشیر سے باتیں کرتی مہرین پر تھیں۔ شمشیر غالباً اسے اسی کے بارے میں بتا رہا تھا۔

*۔۔*۔۔*

"امی! یہ شادی کچھ عرصے کے لیے ملتوی نہیں ہو سکتی؟۔۔۔" بہت جھجکتے ہوئے بالآخر وہ مخاطب ہوا۔

"کیا بات کرتے ہو۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔ غضب خدا کا دس دن رہ گئے ہیں شادی میں' کارڈ بٹ چکے۔۔۔ مہمان آرہے ہیں اور صاحبزادے کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔۔۔" نائی اماں کھری کھری سنا رہی

تھیں۔۔۔ "کتنے تماشے کراؤ گے اور۔۔۔ کبھی شادی کے لیے راضی نہیں تھے پھر سارے زمانے کی مخالفت مول لے کر منگنی کرائی اور اب عین شادی کے دنوں میں نیا شوشہ چھوڑ رہے ہو۔۔۔" اس سے پہلے کہ اماں مزید گولہ بارود اس کے کانوں میں انڈیلتیں' وہ کان دبا کر چپکے سے باہر نکل پڑا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس سے مدد لے۔ چند دن اسی گومگو میں گزر گئے۔۔۔ پھر اس دن اسے افتخار حیدر کی طرف سے کال موصول ہو گئی۔

شام گہری پڑتے ہی گھر میں ڈھولک اور مہمانوں کا شور شرابا نشر ہونے لگا۔ بڑی مشکل سے وہ ادھر ادھر مصروف ارم بھابھی تک پہنچ پایا تھا۔

"ارے۔۔۔ حواس تو درست ہیں ناں!۔۔۔ بھئی وہ مایوں بیٹھ چکی ہے پانچ دن بعد شادی ہے۔ اتنے دن تو صبر کرلو۔ ایسی بھی کیا دیوانگی۔۔۔" پہلے تو وہ اس کا مطالبہ سن کر حیران رہ گئیں پھر اچانک ہنس پڑیں۔

"آپ سمجھیں نہیں بھابھی۔۔۔ مجھے دراصل بہت ضروری ملنا ہے مہرین سے۔۔۔" وہ بھابھی کی بے ساختہ شرارت پر ایک لمحے کو جھینپ سا گیا۔۔۔ چور سا بن کر وضاحت دینے لگا۔۔۔

"ہاں تو مل لینا بھائی میرے۔۔۔ چار دن صبر کرلو۔۔۔" وہ ہنوز شریر سے انداز میں اس کی خبر لے رہی تھیں۔

"بھابھی پلیز۔۔۔" اس کا چہرہ بدستور سنجیدہ تھا اور آنکھوں میں تفکر کی لہریں۔

ناچار ارم بھابھی کو اس کے اصرار پر توجہ دینی پڑی۔ بڑی مصیبتوں کے بعد مہرین کا کمرہ خالی کرا کے چپکے سے شمشیر کو اندر بھیجا تھا۔ جلدی بات ختم کرنے کی شدید ترین تاکید کے ہمراہ۔ پہلے پہل تو مہرین بھابھی کی بات سن کر کرنٹ مارنے لگی تھی کہ میں قیامت تک اس حلیے میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔ پھر ضروری بات کے حوالے سے بمشکل تمام راضی ہو گئی اور اس وقت وہ مایوں کے پیلے جوڑے میں جھینپی گھبرائی اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شمشیر نے اندر داخل ہو کر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور اس کی سمت بڑھا۔

مہرین پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی' ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے مگر پھر شمشیر کے سنجیدہ انداز نے جلد ہی اسے نارمل کر دیا۔

شمشیر اسے دھیمے لہجے میں اپنے نائٹ آپریشن کے بارے میں تفصیل سے بتا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک فائل اس کی سمت بڑھائی اور کچھ اہم فون نمبر لکھوائے۔ مہرین بڑے صبر و تحمل سے اس کی گفتگو اور ہدایات حرف بہ حرف دل میں اتار رہی تھی مگر کوشش کے باوجود اس کے ذہن میں اندیشوں کے بگولے چکرانے لگے تھے۔۔۔ "اگر کچھ ہو گیا تو۔۔۔" اس کے واہمے بار بار اس کو دہلاتے جا رہے تھے۔

"اچھا۔ میں چلتا ہوں اب۔۔۔" بالآخر وہ بات ختم کر کے پلٹنے لگا۔ "چند دن بعد "ملاقات" ہو گی۔۔۔" بے ساختہ اس کی نظریں اس کے ابٹن کی خوشبوؤں سے مہرین پیلے کپڑوں میں مقید دلفریب سراپے پر جم گئیں۔۔۔ اتنی دیر میں پہلی مرتبہ استحقاقانہ نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ چھوئی موئی بن گئی۔۔۔ اپنی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی وہ خود میں سمٹنے لگی۔ شمشیر کی نگاہ کی تپش اور لہجے کی شریر سی حدت نے اسے بے اختیار سرخ کر ڈالا۔۔۔

شمشیر نے بڑی چاہ سے اس کا شرمایا شرمایا وجود نگاہ میں سمویا اور باہر نکلنے لگا۔

"وہ۔۔۔" جانے کیا ہوا' وہ بے اختیار تیزی سے اس کی سمت پیش قدمی کرتے ہوئے سامنے آ گئی۔۔۔ شمشیر ٹھٹک کر رک گیا۔۔۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا نا۔۔۔" وہ اندیشوں سے دھڑکتے دل سے بے چینی سے پوچھنے لگی۔ اس کے چہرے پر چھائے خوف کے بادل اور لہجے میں چھلکتے بے کل جذبوں نے شمشیر کو نہال کر دیا۔ اس نے آہستگی سے اس کے ٹھنڈے یخ نرم و نازک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیے اور گرمجوشی سے دباتے ہوئے اس کی سمت جھک کر دھیمے سے بولا۔

"انشاء اللہ۔۔۔ تم دعا کرنا۔۔۔"

"مگر۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ شخص مجھے قابل اعتبار نہیں لگتا۔۔۔" وہ سہمے سہمے انداز میں متوحش سی اسے دیکھ



رہی تھی۔

"یہ تو آزمانے سے ہی پتا چلے گا۔۔۔ مجھے اپنے خدا پر بہت بھروسہ ہے۔ بصورت دیگر میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں اس پہلو سے اچھی طرح سوچ چکا ہوں۔ سب جانتا ہوں۔ پھر بھی آزمانا چاہتا ہوں۔ فکر نہیں کرو۔ وہ میرا دوست ہے۔ دوست دشمن تو بن سکتا ہے مگر قاتل نہیں۔۔۔ اچھا سنو۔۔۔ میں ایک بات عرصے سے تمہیں کہنا چاہ رہا تھا۔۔۔ پہلے خیال تھا' شادی کی رات کہہ دوں گا مگر احتیاطاً" اب کہہ رہا ہوں۔۔۔" وہ اسی طرح اس کے دونوں ہاتھ تھامے نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کچھ عرصے قبل کہ ایک شادی میں نئی نویلی دلہن نے ولیمے کے روز اپنا سارا زیور اور دولہا نے اپنی ساری سلامیاں اکٹھی کر کے "قرض اتارو ملک سنوارو مہم" میں ملک و قوم کے اولین تر مفاد کے لیے عطیہ کر دیں۔ مہرین۔۔۔ میری جان۔۔۔ نیک عمل کی تقلید کرنا خوش بختی ہوتا ہے نا!۔۔۔"

"میں جانتی ہوں اور میں بہت پہلے ہی یہ سوچ چکی ہوں۔۔۔" مہرین نے اس کی بات پوری ہونے سے قبل دھیمے سے دھماکا کر ڈالا۔

"او جانم۔۔۔ آئی رئیلی لو یو۔۔۔" شمشیر نے بہت خوش ہو کر شدت سے اس کے ہاتھ دبا کر بے ساختہ اظہار کر ڈالا اور وہ اچانک حملے پر بری طرح حواس کھو بیٹھی۔ تیزی سے ہاتھ چھڑا کر باتھ روم میں جا چھپی شمشیر کھتارہ گیا۔۔۔

"ارے بھئی الوداعی "ملاقات" تو کرلو۔۔۔"

*_*_*

"آؤ میرے مہمان آؤ۔ ہم تمہارے ہی انتظار میں تھے۔۔۔" وہ مخصوص مقام پر پہنچا ہی تھا کہ ٹیلے کے پیچھے سے ایک چہکتی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر پلک جھپکتے میں وہ چاروں طرف سے گن برداروں کے گھیرے میں آ چکا تھا۔ سب کے چہروں پر نقاب منڈھے ہوئے تھے۔ رات کے اس سناٹے میں اماوس کا چاند بھی کہیں دور چوٹیوں میں جا چھپا تھا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ تھا تم لوگوں کا منصوبہ۔۔۔" شمشیر نے گہری سانس لے کر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ ایسے عالم میں فائر کرنا سیدھا سیدھا موت کو دعوت دینا تھا۔

"اے ایس پی شمشیر علی۔۔۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔۔۔" ان میں سے ایک جو اس گروہ کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا آگے بڑھا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔۔۔ "کل جب اخبارات میں یہ خبر چھپے گی کہ اے ایس پی شمشیر علی نامعلوم ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دامن کوہ کی گھاٹیوں سے ان کی لاش برآمد کی گئی تو کتنا صدمہ پہنچے گا تمہارے محکمے کو اور تمہارے گھر والوں کو خصوصاً" تمہاری ہونے والی بیوی کو۔۔۔"

"تم یقیناً" رانا شاہ ہو۔۔۔" وہ اس کی بکواس کے جواب میں سکون سے بولا۔۔۔ "اور یہ جال تمہارا بنا ہوا ہے غالباً"۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" وہ فخر سے بولا۔۔۔ "جسے میرے خاص الخاص بندے افتخار حیدر نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ کہاں ہو میرے شیر۔۔۔ آجاؤ سامنے۔ اور اپنے رقیب کو اپنے ہاتھوں "شہادت" کے عہدے پر فائز کرو۔۔۔"

تھوڑی دیر بعد افتخار ادھر چلا آیا۔ وہ شمشیر کے سامنے آنے سے کترا رہا تھا۔ شمشیر کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ در آئی۔۔۔ مہرین کے واہموں کی تصدیق ہو گئی تھی۔۔۔ مگر یہ نیا انکشاف تھا۔۔۔ رقیب؟۔۔۔ پھر اسے اس روز کی سرراہ ملاقات یاد آ گئی۔۔۔ افتخار حیدر سارے زمانے سے بے خبر گاڑی میں بیٹھی مہرین کے وجود کو نگاہ میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔۔۔

"خوب دوستی نبھائی عزیزم۔۔۔" اس نے دھیمے سے مسکرا کر کچھ فاصلے پر کھڑے افتخار حیدر کی سمت دیکھا جس کے ایک ہاتھ میں لائٹ تھی اور دوسرے میں گن۔۔۔

"کیا خیال ہے اے ایس پی۔۔۔ کیسا محسوس کر رہے ہو خود کو اتنا بے بس پا کر۔۔۔"

رانا شاہ طنزیہ ہنسا۔۔۔ "کہاں گئی تمہاری بہادری

اور طراری چوہے کی طرح پنجرے میں آن پھنسے ہو۔۔۔"

"میں سوچے سمجھے بغیر قدم اٹھانے کا عادی نہیں ہوں مسٹر رانا شاہ۔۔۔" شمشیر جواب میں بڑے پراسرار انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں عجیب فاتحانہ رنگ تھا۔

"جب پہلی بار افتخار نے مجھے اطلاع دی تھی تو مجھے سوچنے سمجھنے کا موقعہ نہ ملا۔ میں جوش میں بھر کے اس کی دوستی کی صداقت پر ایمان لاتے ہوئے فورس لے کر چل دیا۔۔۔ بظاہر چھاپہ کامیاب رہا مگر میرا دل کھٹک گیا۔ مجھے یہ سب پلاننگ محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ مگر افتخار پر شک کرتے ہوئے دوستی کا جذبہ آڑے آتا تھا۔ میں نے اس سے اس کی جاب کے بارے میں پوچھا۔ اس کی ٹال مٹول پر میں شک میں پڑ گیا۔ پھر خفیہ طریقے سے اس کی نگرانی کرنا شروع کر دی اور یہیں سے ایک طرح سے اس کی اصلیت کھلتی گئی۔ دوسری طرف اس کا تعاقب کر کے مجھے تمہارے خفیہ ٹھکانوں کی خبر ہوتی گئی۔۔۔ یہ جو اتنے عرصے سے خفیہ چھاپوں میں مال اور بندے پکڑے جاتے رہے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ تھے۔ پھر جب تم نے اسے میرے پاس بھیجا تو میں سمجھ گیا۔ پس پردہ کیا سازش ہو سکتی ہے۔۔۔ مگر دوستو۔۔۔ جس کارڈ کو تم لوگوں نے میرے خلاف استعمال کرنا چاہا تھا' میں نے کمال ہوشیاری سے خود تمہارے خلاف استعمال کر ڈالا۔۔۔"

وہ بڑے فرحت انگیز انداز میں ہنسا تھا۔

"تم لوگوں نے اپنی دانست میں سچی اطلاع دے کر میرا شک دور کرنا چاہا مگر در حقیقت اسی چیز نے مجھے شک میں ڈال دیا۔ میں محتاط ہو گیا اور مکمل طور پر خفیہ طریقے سے افتخار حیدر کی پل پل کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے علم تھا۔ آج تم لوگ مجھ سے مقابلے کے لئے اپنے ٹھکانے چھوڑ کر اس جگہ جمع ہو گے۔ چنانچہ میں۔ آنے سے قبل تمہارے مال کے گوداموں اور خفیہ ٹھکانوں میں جدید ترین بم اور ڈائنامائیٹ رکھ آیا ہوں۔۔۔ اس وقت ریموٹ کنٹرول میری جیب میں ہے۔ جس کا بٹن دبانے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد تمہارے ٹھکانے اور گودام اڑ جائیں گے۔۔۔ میں حسب وعدہ یہاں اس لئے پہنچا ہوں کہ آخری ثبوت مل جائے کہ واقعی افتخار حیدر میرا دوست جگنوؤں کے دیس میں تاریکیاں پھیلانے کے دھندے میں مبینہ طور پر ملوث ہے۔۔۔ اور میں وہ چہرے بے نقاب کر سکوں جو پس پردہ روشنیاں بجھانے کے درپے ہیں۔۔۔"

"ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔۔۔" رانا شاہ درندے کی طرح غرایا۔ "رستم بڑھ کر اس سے ریموٹ کنٹرول چھین لو اور پھر اس کا سینہ چھلنی کر دو۔۔۔" اس نے اضطراری انداز میں حکم دیا۔

رستم آگے بڑھا۔ مگر اسی لمحے شمشیر نے اس کی گن پر ہاتھ مارا دوسرے پل گن شمشیر کے ہاتھ میں تھی اور رستم گولی کھا کر زمین پر لوٹ رہا تھا۔ دوسرا فائر سیدھا دلبر کے سینے میں سوراخ کر گیا۔ اسی اثنا میں رانا شاہ بھاگ کر محفوظ مقام کی آڑ لے کر گولیاں برسانا شروع کر چکا تھا۔۔۔

"افتخار! پیچھے سے فائر کرو۔۔۔" رانا شاہ نے چیخ کر شمشیر کے عقب میں کچھ فاصلے پر کھڑے افتخار حیدر سے کہا۔ افتخار ایک لمحے کو متذبذب ہوا۔۔۔

"او بے وقوف! جلدی کرو۔۔۔ ورنہ ہم سب مارے جائیں گے۔۔۔" تکلیف سے کراہتے رستم نے بمشکل کہا۔ "اگر اے ایس پی کو پار لگا دیا تو اپنی محبوبہ کو بھی پا لو گے۔۔۔"

اور اس جملے نے اس میں بجلی دوڑا دی۔۔۔ اس کی گن نے شعلہ اگلا اور تنویر خان کا نشانہ لینے کی تگ و دو میں مصروف شمشیر کے ہاتھ سے رائفل دور جا گری۔ اسے غیر مسلح دیکھ کر تنویر خان ٹیلے کی آڑ سے نکلا اور ریوالور سے اس کی ٹانگ کا نشانہ لیا۔ شمشیر گولی کھا کر نیچے جا گرا۔۔۔

"جلدی سے ریموٹ کنٹرول اس سے لے لو افتخار۔۔۔" رانا شاہ دھاڑتا ہوا ادھر آ رہا تھا۔۔۔ اس نے شمشیر کی دوسری ٹانگ پر گولی مار کر اسے مکمل طور پر



بے بس کر دیا تھا۔ افتخار جھکا اور جلدی سے اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔۔۔

"او شاہ جی ادھر دیکھیے شعلے اٹھ رہے ہیں۔۔۔" معاً" تنویر خان نے مڑ کر دیکھا' دور کہیں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اسی اثنا میں قریبی گوداموں میں اور ٹیلے کے پاس دھماکے ہونے لگے۔ زمین دھماکوں سے لرزنے لگی۔ اب یہ دھمک بہت قریب سے محسوس ہو رہی تھی۔

"او اس نے دھوکہ کیا۔۔۔ یہ بٹن دبا چکا تھا۔" افتخار حیدر نے شمشیر کی جیب سے جو آلہ برآمد کیا۔ وہ سیدھا سادہ کیلکولیٹر تھا۔ پھر اس کی نگاہ شمشیر کی خون آلود کلائی پر گئی۔۔۔ وہاں گھڑی کے ساتھ ایک عجیب سا آلہ بندھا ہوا تھا۔۔۔ گویا یہاں سے بٹن دبایا تھا۔

"دھوکہ۔۔۔ دھوکہ تو تم نے کیا ہے افتخار اس وطن سے۔۔۔" اسی لمحے جب افتخار اس کی کلائی چھوڑ رہا تھا شمشیر نے آنکھیں کھول دیں۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں نے مرتے دم جگنوؤں کی روشنیاں گل کرنے والے زہریلے مواد میں سے کچھ کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ اور زیادہ نہ سہی کچھ پس پردہ تباہی پھیلانے والوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔۔۔ تم بچ نہیں سکو گے دوست۔۔۔ اور نہ وہ سب کچھ پا سکو گے جس کے لئے تم نے ماں جیسی سرزمین پر زہر کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔" شمشیر کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں مگر اس کی آنکھیں چراغوں کی طرح دمک رہی تھیں۔۔۔ وہی شفاف اور پاکیزہ' پر عزم آنکھیں۔۔۔

"یہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا۔ اسے ایک اور گولی مار کر ختم کرو اور فوراً" سے پیشتر یہاں سے بھاگ نکلو۔۔۔ پولیس کو دھماکوں کی اطلاع مل چکی ہو گی۔۔۔ وہ ادھر پہنچنے والی ہے۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔" رانا شاہ نے تیزی سے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو جلتے ہوئے شعلوں میں دھکیل کر اپنی موجودگی کے نشانات ختم کئے۔

افتخار حیدر کے پاس سوچنے کو وقت نہیں رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے شمشیر کے تیم مردہ وجود میں ایک اور گولی پیوست کر کے وہ رانا شاہ کے ہمراہ فرار ہو گیا۔

پولیس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا ماسوائے اے ایس پی شمشیر علی کے جواب اس دنیا میں نہیں تھا۔ یقیناً" وہ بچ سکتا تھا۔ بھلے سے اڈا تباہ ہو گیا تھا مگر وہ ابھی بھی محفوظ تھا۔ پولیس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کچھ عرصے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑتے ہی وہ اپنی جان آرزو کے حصول کو ممکن بنا سکتا تھا۔

*_*_*

اگلے دن اخبارات میں سرخیاں جگمگا رہی تھیں۔ پیرودھائی اڈے پر پراسرار آتشزدگی جس کے باعث چرس اور شراب کے گودام اور منشیات فروشوں کے اڈے جل کر خاکستر ہو گئے۔ کئی مجرم جل گئے اور کچھ زخمی حالت میں گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی اے ایس پی شمشیر علی کی پراسرار ہلاکت کے بارے میں تفصیلی رپورٹ تھی۔ جس کے مطابق نامعلوم حملہ آوروں نے اے ایس پی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مزید حقائق معلوم کرنے کے لئے خفیہ ایجنسیاں اور پولیس متحرک ہو چکی تھی۔ پھر محض دو روز بعد اخبارات میں رانا شاہ اور افتخار حیدر کی گرفتاری منشیات فروشی اور جوئے کے اڈے چلانے کا الزام اور اے ایس پی کے قتل کی ذمہ داری کی خبریں شائع ہوئیں۔

"یہ سب کیسے ہوا؟ کس طرح ہوا۔۔۔ کس نے مخبری کی۔۔۔" افتخار حیدر ہوٹل سے گرفتار ہو کر جیل پہنچنے تک اسی معمے کو حل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ پھر یہ معمہ زیادہ دیر تک معمہ نہ رہا۔

کچھ روز بعد اس کی ملاقات آئی۔۔۔ وہ ایک خاتون تھی سر تا پا سیاہ چادر میں ملفوف۔۔۔ وہ حیران سا دیکھ رہا تھا کہ اس نے ہلکا سا نقاب نیچے کھسکایا۔ اور پھر جیسے زمین و آسمان گھوم کر رہ گئے۔

سرد برفیلے تاثرات سے سجا یہ چہرہ وہی تھا جس نے اس کو ہوش کی دنیا سے بے گانہ کر دیا تھا۔۔۔ مہرین۔۔۔ جو مہرین شمشیر علی بننے کی منزل سے محض پانچ دن کے فاصلے پر تھی جب بن بیاہی بیوہ بنا دی گئی تھی۔

"حیران ہو رہے ہو نا۔۔۔ تم سمجھ رہے تھے۔ کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آسکو گے؟۔۔۔ نہیں۔۔۔ شمشیر کبھی بھی کچا کام نہیں کرتا۔ وہ تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں مکمل رپورٹ بنا چکا تھا۔ مع ثبوت کے اور مشن پر جانے سے پہلے وہ تمہاری اور رانا شاہ کی فائل مجھے دے گیا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ اگر وہ صبح تک نہ لوٹا یا زندہ نہ رہا تو فوراً" سے پیش تر یہ فائل آئی جی تک پہنچا دوں۔۔۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کے نمبر بھی احتیاطاً" مجھے دے دیئے تھے کہ اس کے واپس نہ لوٹنے پر ساری رپورٹ ان تک پہنچا دوں۔۔۔ اور میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتی تھی افتخار حیدر! تمہیں سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر ہی تو شمشیر کی روح سکون پا سکتی تھی۔ سو میں نے دیر نہیں کی۔۔۔ مگر میرے دل کو چین اس وقت ملے گا جب تمہارا مکروہ وجود پھانسی گھاٹ پر لٹکا ہوا نظر آئے گا۔۔۔ تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ تم پر تھوکا جائے۔۔۔"

وہ سفاکی سے کہہ کر تیزی سے پلٹ گئی تھی۔ وہ سلاخیں تھامے بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔۔۔ "تم بچ نہیں سکو گے دوست اور نہ وہ کچھ پا سکو گے جس کے لئے۔۔۔" اس کے ذہن میں شمشیر کے جملے گونجنے لگے تھے۔

*۔۔*۔۔*

فاتحہ پڑھ کر آنسوؤں کا نذرانہ دیتے ہوئے مہرین نے وہ کتبہ شمشیر کی قبر کے سرہانے فٹ کر دیا جو وہ خصوصی طور پر بنوا کر لائی تھی۔ اس پر وہی نظم درج تھی جو شمشیر اکثر سنایا کرتا تھا۔۔۔ قبر پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی، گلاب اور موتیے کی خوشبوؤں نے جگنوؤں کے دیس کا خواب دیکھنے والے پر عزم سراپے کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ سنگ مرمر کے کتبے پر سیاہ حروف روشن تھے۔

"میرے خدا۔۔۔ وطن بھی ہوں، میں ماں بھی ہوں، پناہ بھی ہوں۔
میں بیمار ہوں، سکوں بھی ہوں، اماں بھی ہوں۔
میں تھو گیا جو راہ میں تو کیا کریں گے گمراہی کی راہ میں۔
میں جگنوؤں کا دیس تھا۔ میں خوشبوؤں کا بھیس تھا۔
میری ردا بھی چھین کر ہوائے دہر لے گئی۔۔۔ میں کیا ہوا۔
دھواں دھواں سے خال و خد، لٹے پٹے سے دست و پا، میرے خدا۔
یہ درد دھوپ اوڑھ کر۔ میں دل سے ہنس نہیں سکا۔
کبھی کا سو نہیں سکا۔ میرے خدا مجھے بھی منزلیں دکھا۔
مجھے بھی کوئی آس دے۔ محبتوں کی باس دے۔
یہ مہر غم غروب کر، یہ دھوپ اب سمیٹ لے۔
آسودگی کے خواب کو میری منڈیر پر سلا۔
جو خواہشوں کے دیپ ہیں انہیں جلا۔
تھکی ہوئی ساعتوں کو پیار کی صدا سنا۔
میرے خدا مجھے بچا۔
یہ درد کی مسافتیں، یہ ساعتیں انہیں مٹا۔
میرے خدا۔۔۔"

اور اس نظم کے نیچے درج تھا۔

"جگنوؤں کے دیس کا خواب دیکھنے والا جب تلک زندہ رہا اندھیروں کے خلاف جدوجہد کرتا رہا اور جب مرنے لگا تو بہت سی تاریکیاں مٹا گیا۔۔۔"

اسے سب لوگ اے ایس پی شمشیر کی بیوہ سمجھتے ہیں اور وہ وطن کے نونہالوں کو اسکول میں پڑھاتے ہوئے گویا جگنوؤں کے دیس کو نکھارنے والوں کو عزم نو عطا کرتی ہے۔۔۔ اور یہی تو وعدہ ہے اس ماں جیسی سرزمین کی حرمت سے اپنا۔۔۔



## دُور دور بکھری ہوئی نظم

اے ہوا!
شام کے وقت
جب میں اس کے ساتھ
چائے پینے میں مصروف ہوتا ہوں
تو تیزی سے
میری کتاب کے ورق
الٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے
اور اس کے بالوں کو
بے ترتیب کر دیتی ہے
تجھے بکھری ہوئی چیزیں
کتنی اچھی لگتی ہیں۔

عبدالقدوس قدسی

یہ بات ہے کب کی مگر اب، پوچھ رہے ہو
تم میری اُداسی کا سبب پوچھ رہے ہو

میں شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتّے کی طرح ہوں
ناداں ہو، مرا نام و نسب پوچھ رہے ہو

معلوم نہیں کتنے گھروں میں ہے اندھیرا
یوں شہر میں ہے جشن طرب، پوچھ رہے ہو

کہتے ہو کس حال میں ہوں تم سے بچھڑ کر
اور اس پہ ستم، خندہ بلب پوچھ رہے ہو

احوال بھی کب پوچھنے آئے ہو مرا تم
جب تم کو ہوئی میری طلب، پوچھ رہے ہو

کیا خوب کہ ضیغم کی حسین نیند اُڑا کر
کیفیتِ بیداریٔ شب پوچھ رہے ہو

ضیغم حمیدی